# اسیرِ مصر سے
# عزیزِ مصر تک

خالد محمود
ایم فل علوم اسلامیہ

# اسیرِ مصر سے
# عزیزِ مصر تک

خالد محمود
ایم فل علومِ اسلامیہ

جملہ حقوق بحق امت مسلمہ محفوظ ہیں


| | | |
|---|---|---|
| کتاب | : | اسیرِ مصر سے عزیزِ مصر تک |
| ترتیب وتحقیق | : | خالد محمود، ایم فل علوم اِسلامیہ |
| اشاعت اوّل | : | رجب المرجب 1445 ہجری مقدس بمطابق، جنوری 2024ء |
| فارمیٹنگ وسیٹنگ | : | وقاص شبیر |
| ٹائٹل ڈیزائننگ | : | عبدالوہاب خالد |
| پروف ریڈنگ | : | حافظ احمد نعیم اسلم، رجسٹرڈ پروف ریڈر، پنجاب قرآن بورڈ |
| ای میل | : | khalidmahmoodpk@yahoo.com |
| مطبع | : | ہاشمیز پرنٹرز، 50۔لوئر مال، نزد ایم اے او کالج، لاہور |
| قیمت | : | Rs. 600/- |

# انتساب

ماہِ کنعان، پیکرِ حُسن و جمال

نبی اللہ یوسف صدیق علیہ السلام کے نام

جنھوں نے اندھے کنویں میں پھینکنے والے

بے رحم بھائیوں کو معاف کر دیا

# فہرست مضامین


| نمبر شمار | عنوان | صفحہ نمبر |
|---|---|---|
| 1 | تقریظ از پروفیسر عرفان پاشا | 7 |
| 2 | حرفِ اوّل | 10 |
| 3 | سورۃ یوسف کا سببِ نزول | 13 |
| 4 | بہترین سرگزشت | 21 |
| 5 | حضرت یوسف علیہ السلام کا خاندان | 29 |
| 6 | حضرت یوسف علیہ السلام کو نبوت کب ملی؟ | 36 |
| 7 | کیا برادرانِ یوسف نبی تھے؟ | 41 |
| 8 | قصے کی ابتدا یوسف علیہ السلام کے ایک خواب سے ہوتی ہے | 44 |
| 9 | خواب کی حقیقت احادیث کی روشنی میں | 45 |
| 10 | یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا حسد اور فریب | 48 |

| | | |
|---|---|---|
| 11 | گھر سے کنویں تک | 57 |
| 12 | کنویں سے بازارِ مصر تک | 63 |
| 13 | کنعان کا قبرستان | 66 |
| 14 | عزیزِ مصر کی فراست | 70 |
| 15 | یوسف علیہ السلام عزیزِ مصر کے محل میں | 74 |
| 16 | قدیم مصری تہذیب | 79 |
| 17 | عزیزِ مصر کی عورت | 85 |
| 18 | آزمائش کا نیا دور | 90 |
| 19 | برہان کیا تھی؟ | 104 |
| 20 | یوسف علیہ السلام کی سچائی کی گواہی کس نے دی؟ | 107 |
| 21 | عورتوں کے فریب کا ذکر | 112 |
| 22 | خواتین کی محفل کا انعقاد | 120 |
| 23 | یوسف علیہ السلام زندان میں | 123 |
| 24 | بادشاہِ مصر کا خواب | 130 |
| 25 | یوسف علیہ السلام کا رہائی کی شرط رکھنا | 132 |
| 26 | قید خانے سے حکمرانی تک | 141 |

| | | |
|---|---|---|
| 27 | برادرانِ یوسف مصر میں | 145 |
| 28 | یعقوب علیہ السلام کا خط شاہِ مصر کے نام | 148 |
| 29 | خاندانِ یعقوب علیہ السلام کی مصر میں آبادکاری | 152 |
| 30 | یوسف علیہ السلام کی اِمراۃِ عزیز سے شادی کی تحقیق | 155 |
| 31 | سورۃ یوسف میں نوجوانوں کے لیے سبق | 175 |
| 32 | اللہ اپنے حکموں پر غالب ہے | 179 |
| 33 | قصہ یوسف (علیہ السلام) اور قریش میں مماثلت | 183 |
| 34 | سرگزشتِ یوسف (علیہ السلام) میں معاشی بحرانوں سے نمٹنے کا سبق | 188 |
| 35 | اصلاحی منصوبوں میں کردار کا مقام | 201 |
| 36 | یوسفِ گم گشتہ باز آید | 212 |
| 37 | حرفِ آخر | 214 |
| 38 | مصادر و مراجع | 218 |

# تقریظ

## (از پروفیسر عرفان پاشا)

سورۃ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بیان ہوا ہے جس کو قرآن نے احسن القصص قرار دیا ہے جو اپنی عبارت، صداقت اور معنویت کے اعتبار سے انتہائی خوبصورت کہانی ہے۔ برادرم خالد محمود صاحب کی تصنیف جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، جس میں انھوں نے سورۃ یوسف میں بیان کردہ اس قصے کے چند مباحث کو انتہائی خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔کتاب کی فہرست، ابتدائیہ اور ابواب ایسے مربوط، طریقہ وار اور سلیقے سے ترتیب دیے گئے ہیں کہ واقعہ بیان کرنے میں کہیں خلا نظر نہیں آتا۔ اسے پڑھ کر قاری کو بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ کہانی کس طرح واقع ہوئی ہے۔

کتاب کے مطالعہ سے پہلا سوال جو ذہن میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ کہیں اس کتاب میں کہانی کی وہ تفصیلات تو شامل نہیں ہیں جو قرآن سے ہٹ کر ہیں اور ہمارے ہاں اسرائیلی روایات کے ذریعہ سے آئی ہیں یا گھڑلی گئیں ہیں یا جو فارسی اور پنجابی منظوم ادب سے ماخوذ ہیں؟ بنیادی طور پر تو یہ کتاب قرآن و حدیث کی روشنی میں ہی ضبط تحریر میں لائی گئی ہے تاہم تفسیری ادب میں جہاں ایسی روایات بیان ہوئی ہیں، مصنف نے ان کی طرف بھی نمایاں

طور پر اشارہ کر دیا ہے۔

دوسری اہم بات جو کتاب کے مطالعہ سے واضح ہوتی ہے اور جس کو پڑھ کر بڑی خوش گوار حیرت ہوتی ہے وہ یہ کہ مصنف نے وہ مشہور کہانیاں جو زبان زد عام ہیں لیکن ان کی کوئی ٹھوس دلیل نہیں، ان کو ناقابلِ اعتبار قرار دیا ہے، جو کہ اچھی بات ہے۔ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ مصنف بسا اوقات زیادہ شہرت پانے کے لیے یا اپنے قارئین میں اضافہ کرنے کے لئے اختلافی چیزوں پر بات ہی نہیں کرتے، جو نا صرف تحقیق کے بنیادی اصولوں اور معیار کے خلاف ہے بلکہ اس سے موضوع بھی تشنہ رہ جاتا ہے۔ لیکن مصنف نے اس پہلو کو نظر انداز نہیں کیا۔

اس کتاب کی ایک اور خوبصورت بات یہ ہے کہ صدیوں پرانے قرآن کے اس قصے کو انھوں نے کس طرح جدید معاشرے کے مسائل کے ساتھ جوڑا ہے اور کتاب کو اسی تناظر میں ترتیب دیا ہے۔ مصنف منطقی دلائل سے واضح کرتے ہیں کہ اس وقت جو برائیاں تھیں وہ آج بھی جدید دنیا میں اسی طرح موجود ہیں۔ یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ برائی کا بنیادی ڈھانچہ ویسا ہی ہے جیسا اس دور میں تھا، صرف رنگ بدلے ہیں۔ جیسا کہ بے گناہوں کا جیل جانا، بھائیوں کا آپس میں حسد اور اسی طرح اشرافیہ کے معاشرے کی مخصوص ثقافت، امراء اور حکمرانوں کی کج ادائیاں وغیرہ۔

قرآن کریم نے اس کو احسن القصص کہا ہے یعنی قصوں میں سب سے خوبصورت قصہ۔ اس کے بہت سارے پہلو ہیں، لیکن کتاب پڑھنے سے یہ پہلو سامنے آیا کہ یہ مسائل جس طرح آج بھی موجود ہیں اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے دور میں بھی تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم کے ذریعے سے ان مسائل کو حل کروا دیا تھا، سو آج بھی ہم ان تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر موجودہ دور کے مسائل حل کر سکتے ہیں۔

اور آخر میں میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مصنف کے قلم میں مزید زور اور وسعت دے اور ان کی نیک نیتی قبول فرمائے، ان کی زندگی دراز کرے اور وہ اسی طرح کتب تحریر فرما کر عوام الناس کی رہنمائی فرماتے رہیں۔ آمین۔

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

پروفیسر عرفان پاشا
شعبہ اُردو، پنجاب کالج، لاہور

# حرفِ اوّل

تمام تعریفیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے ہیں جو کائنات کا خالق و مالک ہے اور کروڑوں درود وسلام نبی آخر الزماں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی پر، جن کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی رہنمائی کا بندوبست فرمایا۔

قرآنِ کریم نے سورۃ یوسف میں بیان کردہ قصے کو بہترین قصہ قرار دیا ہے۔ یہاں قصہ کے معنیٰ محض کہانی یا داستان کے نہیں بلکہ اصل واقعے کے ہیں۔ کیونکہ قرآن کریم فرضی خبریں بیان نہیں کرتا بلکہ اس کا مقصد حقیقی واقعات وحقائق کو ہی بیان کرنا ہے۔ آپ نے دنیا میں لکھے جانے والے بہت سے قصے اور کہانیاں سنی اور پڑھی ہوں گی، لیکن جس قصے کو قرآن نے بہترین قصہ قرار دیا ہے، ایسا قصہ نہ آپ نے کہیں پڑھا ہوگا نہ سنا ہوگا۔ کیونکہ یہ وحی الٰہی ہے اور مخلوق، خالق کے کلام کی کوئی مثال پیش نہیں کرسکتی۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے میں کئی مقام اور موڑ آتے ہیں جو معاشرے کے ہر طبقہ کے لیے بے پناہ عبرتیں، حکمتیں اور نصیحتیں اپنے اندر لیے ہوئے ہیں۔

سیاست دان کے لیے اس قصے میں سیاسی جہتیں ہیں، ماہرِ اقتصادیات کے لیے اس میں ایک کامیاب معاشی نظریے کا مطالعہ ہے، منتظم کے لیے اس میں انتظام وانصرام

کے اقدامات کی رہنمائی ہے۔ ماہرِ تعلیم اس سے تعلیمی نظریات اخذ کرتا ہے، اور ماہر عمرانیات اس میں اشرافیہ کے معاشرے کی مخصوص ثقافت کا مشاہدہ کرتا ہے۔[1]

مصر کے قدیم معاشرے میں پیش آنے والے حالات و واقعات اور مسائل جو اس قصے میں بیان ہوئے ہیں، دراصل وہی ہیں جو جدید معاشروں میں بھی موجود ہیں۔ حکمرانوں کے رویے، مردوں اور عورتوں کے تعلقات اور ان کے اثرات ومضمرات، بھائیوں میں حسد، اولاد کی بوڑھے والدین سے فریب کاری، انسانوں کی خرید و فروخت، جھوٹے الزام، بے گناہوں کا جیل جانا، استحصال اور دیگر برائیاں وغیرہ یہ سب بدرجہ اتم موجود ہیں۔ جدید دور میں ان کے صرف ذرائع اور ظاہری شکلیں بدلی ہیں، انسان کے ان رویوں اور نفسِ انسانی کی بیماریوں میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

ذخیرہ تفاسیر، بائبل اور تاریخ کی کتابوں میں اس قصے کی بہت سی تفصیلات بیان کی گئی ہیں لیکن وہ سب کی سب درست نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ قصے کہانیوں کی عام کتابوں میں بھی بہت سی باتوں میں مبالغہ آمیزی اور تضاد موجود ہے۔ مگر قرآن کریم میں صرف وہی حقائق بیان ہوئے ہیں جن میں لوگوں کی زندگیاں سنوارنے کے لیے عبرت و نصیحت کا سامان ہے اور لوگوں کو ان سے بصیرت اور آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ سرگزشتِ یوسف (علیہ السلام) میں معاشی، سیاسی اور معاشرتی بحرانوں سے نمٹنے کا سبق موجود ہے۔

اس قصے کے بہت سارے پہلوؤں پر قدیم اور جدید مفسرین کرام نے اپنی اپنی تحقیق کے مطابق مختلف انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ میں نے اس کتاب میں زیادہ تر تفسیری ذرائع سے منتخب مواد کو ہی ترتیب و تدوین کے مراحل سے گزارا ہے۔ میری دیگر کتب کی طرح اس

---

[1] https:// diwanalarab.com

کتاب کا مقصد بھی عقیدے کی درستی اور معاشرے کی اصلاح ہے۔اس کاوش میں جو حق بات ہے یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی غلطی ہے تو میری طرف سے ہے، میں اس پر اللہ تعالیٰ سے معافی کا طالب ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔قارئین کرام سے درخواست ہے، اگر وہ اس کتاب میں کوئی غلطی دیکھیں تو مہربانی فرما کر اطلاع دیں تاکہ اس کی تصحیح کی جاسکے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ عظیم میں دعا گو ہوں کہ وہ میری نیک نیتی کو شرفِ قبولیت بخشے اور اس تالیف کو سب مسلمانوں کے لیے نافع، میرے اور میرے والدین کے لیے صدقہ جاریہ اور ذخیرہ آخرت بنائے۔ (آمین)

وَمَا تَوۡفِيۡقِىۡۤ اِلَّا بِاللّٰهِ‌ ؕ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ وَاِلَيۡهِ اُنِيۡبُ ﴿۸۸﴾ (ھود 11:88)

(اس بارے میں) مجھے توفیق ملنا اللہ کے فضل سے ہی ہے۔میں اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

طالبِ شفاعتِ محمدی ﷺ بروزِ محشر

**خالد محمود**

جمعۃ المبارک 12 ربیع الاوّل 1445 ہجری مقدس

بمطابق 29 ستمبر 2023 عیسوی

# سورۃ یوسف کا سببِ نزول

(ترجمہ آیت) بیشک یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائیوں کے قصہ میں پوچھنے والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔ [1]

مفسرین کرام نے سورۃ یوسف کے شانِ نزول میں مختلف اسباب نقل کیے ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ ہے کہ یہود نے مشرکین مکہ کے ذریعہ سے امتحاناً یہ سوال کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد تو شام میں سکونت پذیر تھی پھر" بنی اسرائیل" مصر میں کیسے پہنچ گئے، جو موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے مقابلہ کی نوبت آئی۔ بعض کے نزدیک اس کا شانِ نزول یہ ہے کہ کفار مکہ نے علماء یہود کے اشارہ پر کہا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قوم عاد و ثمود کے حالات بیان کرتے ہیں جو چنداں مشکل بات نہیں ہے، کیونکہ یہ عرب کے مشہور و معروف واقعات ہیں، ان سے دریافت کریں کہ یعقوب علیہ السلام کی اولاد مصر میں کیوں گئی تھی اور یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں میں کیا معاملہ ہوا اور یوسف علیہ السلام کیسے مصر پہنچے؟

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ سائلین سے وہ لوگ مراد ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے دریافت کرتے تھے کہ آپ کا اور اسلام کا مستقبل کیا ہوگا۔ اللہ نے اس کے جواب میں یہ سورۃ نازل

---

[1] سورۃ یوسف 12:7

فرمائی۔نزول سورۃ کے زمانہ میں اہل ایمان نہایت پریشانی کے عالم میں تھے۔مشرکین عرب و مکہ کی مخالفت حد سے بڑھ چکی تھی،تو ان حالات میں بعض مسلمانوں نے حضور ﷺ سے یہ سوال کیا تھا۔اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ یوسف علیہ السلام نازل فرما کر مسلمانوں کو تسلی دی کہ جس طرح اللہ نے یوسف علیہ السلام کا مستقبل تابناک بنایا اسی طرح تمہارا مستقبل بھی شاندار ہے،اللہ تعالیٰ تمہیں بھی عروج دے گا جس طرح یوسف علیہ السلام کے بھائی مجرم تھے،پھر نادم ہوئے اور توبہ کی تو اللہ نے ان کی توبہ بھی قبول فرمالی اس طرح مکہ کے مشرکین بھی بالآخر نادم ہوں گے اور توبہ کریں گے۔بہر حال سورۃ یوسف علیہ السلام کے بیان کردہ واقعہ سے حضور ﷺ اور اہل ایمان کے روشن مستقبل کی طرف اشارہ ہے۔وقتی طور پر تکلیفیں آتی رہتی ہیں اور ہر نبی کو پیش آئیں مگر آخر کار کامیابی بھی انہی کے حصے میں آئی۔[1]

عبدالرحمٰن کیلانی لکھتے ہیں:

کفار مکہ نے یہود سے کہا کہ ہمیں کوئی ایسا سوال بتلاؤ جو ہم اس پیغمبر سے پوچھیں اور اس سوال کا وہ جواب نہ دے سکیں۔اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اس نبی کا سب بھرم کھل جائے گا۔وہ جواب تو نہ دے سکیں گے یا پھر مہلت مانگیں گے اور دریں اثنا وہ ادھر ادھر کی کچھ معلومات مہیا کریں گے جس کا علم ہو جانا بعید از قیاس نہیں۔یہود یہ تو جانتے تھے کہ یہ نبی امی ہیں لہٰذا انھوں نے سوچ سمجھ کر ایک تاریخی قسم کا سوال کفار مکہ کو بتایا جو یہ تھا کہ سیدنا ابراہیم،سیدنا اسحاق اور سیدنا یعقوب (علیہم السلام) سب کا مسکن تو شام و فلسطین کا علاقہ تھا۔پھر بنی اسرائیل مصر میں کیسے جا پہنچے؟ جنہیں اہل مصر کی غلامی سے آزاد کرانے کے لیے سیدنا موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے؟ جب کفار مکہ نے آپ ﷺ سے یہ سوال کیا تو اسی وقت یہ سورۃ پوری کی پوری

---

[1] صوفی عبدالحمید سواتی، معالم العرفان

نازل ہوگئی اور آپ کی زبان سے مسلسل یہ سورۃ ادا ہوتی گئی اور حقیقت یہ ہے کہ اس سوال کے جواب سے اس وقت نہ آپ واقف تھے اور نہ اہل مکہ اور اس جواب میں سیدنا یوسف علیہ السلام کے حالات زندگی کی پوری داستان بھی آ گئی اور کئی ایسی باتوں کی طرف واضح اشارات بھی پائے جاتے تھے جو کفار مکہ اور برادران یوسف علیہ السلام کے درمیان مشترک پائے جانے والے تھے اور اس میں کفار مکہ کے لیے عبرت کے کئی نشان بھی تھے۔ گویا یہ پوری سورۃ قریش مکہ کے حق میں ایک طرح کی پیشین گوئی کی حیثیت رکھتی تھی اور وہ سب نشان عبرت پورے ہو کر رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً ان کے سوال کا جواب دے کر ثابت کر دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی الواقع اللہ کے نبی ہیں کیونکہ وحی الٰہی کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس معلومات کا کوئی دوسرا ذریعہ ممکن نہ تھا، لیکن پھر بھی یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہ لائے اور اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہے۔[1]

مولانا شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

شاید مسلمانوں کو بھی ایک مفصل تاریخی واقعہ جو بصائر و عبر سے مملو ہو سننے کا اشتیاق ہوا ہوگا۔ ادھر اس قصہ کے ضمن میں جن احوال و حوادث کا تذکرہ ہونے والا تھا وہ کئی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی قوم کے حالات سے مشابہت رکھتے تھے۔ اور ان کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں موجب تسکین خاطر اور آپ کی قوم کے حق میں موجب عبرت تھا۔ ان وجوہ سے یہ پورا واقعہ کافی بسط و تفصیل سے قرآن کریم میں بیان فرمایا تا کہ پوچھنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ اسرائیل یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد کے شام سے مصر آنے کا سبب حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ ہوا ہے۔ پھر وہیں ان کی نسل پھیلی اور بڑھتی رہی تا آنکہ حضرت

---

[1] عبدالرحمٰن کیلانی، تفسیر تیسیر القرآن، تحت آیت، سورۃ یوسف 7:12

موسیٰ علیہ السلام نے آخر فرعون اور قبطیوں کی غلامی سے انھیں نجات دلائی ۔[1]

شاہ عبد القادر محدث دہلوی لکھتے ہیں:

یہودیوں کے کہنے پر قریش مکہ نے یہ سوال کیا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو بابل سے چل کر شام و فلسطین میں ٹھہر گئے تھے مگر بنی اسرائیل کا مصر کے ساتھ سلسلہ کیسے قائم ہوا تھا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل کی کثیر تعداد نے مصر سے خروج کیا تھا اور پھر وہ بحر قلزم کو عبور کر کے صحرائے سینا میں پہنچ گئے تھے اسی سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ یوسف نازل فرما کر حقیقت حال کو واضح فرمادیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں بطور غلام فروخت ہوئے پھر اللہ نے آپ کو وہیں پر حکومت دی اور آپ وہاں پر ہی آباد ہو گئے ۔ پھر آپ کا خاندان بھی وہیں آ گیا اور چار پانچ سو سال کے بعد جب موسیٰ علیہ السلام کا دور آیا تو بنی اسرائیل کی تعداد چھ لاکھ تک پہنچ چکی تھی جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ مصر کو چھوڑ دیا۔ مطلب یہ کہ مصر میں بنی اسرائیل کے دور کی ابتدا حضرت یوسف علیہ السلام سے ہوئی تھی ۔[2]

ڈاکٹر محمد اسلم صدیقی لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں مشرکین کا سوال بظاہر بنی اسرائیل کی تاریخ سے متعلق ہے لیکن قرآن کریم انھیں اس واقعہ کے آئینہ میں اس وقت حق و باطل کے سلسلے میں برپا ہونے والی کشمکش کے حوالے سے جو سوالات ذہنوں میں پیدا ہو رہے تھے ان کی طرف توجہ دلا رہا ہے اور ان کو یہ باور کرا رہا ہے کہ تم اگر غور سے ان واقعات کو دیکھو تو تمھیں ان

---

[1] مولانا شبیر احمد عثمانی، تفسیر عثمانی

[2] صوفی عبد الحمید سواتی، معالم العرفان

سوالوں کا جواب مل جائے گا جو تمہارے ذہنوں میں کشمکش برپا کیے ہوئے ہیں۔ تم دیکھ رہے ہو کہ نبی کریم ﷺ کی بعثت سے سرزمین مکہ میں ایک عجیب کشمکش پیدا ہوگئی ہے جس میں وقت کے ساتھ ساتھ شدت پیدا ہوتی جا رہی ہے۔ داعی الی الحق کے سامنے دنیا بھر میں تنی ہوئی کفر کی سیاہ چادر کو اتار کر حق کے نور سے اجالا کرنا پیش نظر ہے اور حال یہ ہے کہ مکہ کے گلی کوچے اس کی دعوت کے لیے بند ہو چکے ہیں۔ قریش آپ کے قتل کے منصوبے باندھ رہے ہیں اور وہ اسلام کو کسی طور برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں۔ ایسی صورتحال میں سوچنے والے ذہن سوچتے ہیں کہ اسلام کا اور اس کے داعی کا مستقبل کیا ہے؟ وہ کب تک اس صورتحال کا مقابلہ کرے گا؟ اور کس طرح اس کے لیے کامیابی کے راستے کھلیں گے؟ قرآن کریم توجہ دلا رہا ہے کہ تمہارے ان سوالوں کا جواب اس سرگزشت میں موجود ہے، اس لیے اسے غور سے سنو۔[1]

علامہ قرطبی مالکی (668ھ) لکھتے ہیں:

یہود نے مدینہ میں سے کچھ لوگوں کو مکہ بھیجا کہ وہ سیدنا محمد ﷺ سے یہ سوال کریں کہ شام میں ایک نبی تھے ان کا بیٹا مصر چلا گیا وہ اس کے فراق میں روتے رہے حتیٰ کہ نابینا ہو گئے۔ اس وقت مکہ میں اہل کتاب میں سے کوئی شخص نہیں تھا اور نہ کوئی ایسا شخص تھا جو انبیاء علیہم السلام کی خبریں جانتا تھا جب لوگوں نے نبی ﷺ سے یہ سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے پوری سورۃ یوسف نازل فرمادی اس میں تورات میں مذکور واقعات کا بھی ذکر ہے اور اس سے زیادہ خبریں بھی ہیں اور سورۃ یوسف کا نزول نبی ﷺ کا بہت بڑا معجزہ تھا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز۹،ص ۱۱۵، مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)[2]

---

[1] مولانا ڈاکٹر محمد اسلم صدیقی، تفسیر روح القرآن

[2] غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن

تاہم بعض مفسرین کے نزدیک یہ روایات اسرائیلی ہیں اور مکہ میں یہود تھے بھی نہیں، نہ اہل مکہ کا ان سے خاص رابطہ تھا۔ حافظ ابن کثیر (رحمۃ اللہ علیہ) نے ایسی کسی روایت کا ذکر نہیں کیا بلکہ اس کے بالمقابل دوسری ایک دو روایات بحوالہ ابن جریر بیان کی ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سوال پر یہ سورت نازل ہوئی۔ (مگر ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول یہ روایت بھی منقطع ہے، کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے راوی عمرو بن قیس نے انھیں پایا ہی نہیں۔ دیکھیے الاستیعاب فی بیان الاسباب) بہر حال اگر اسرائیلی روایات کو معتبر مان لیا جائے تو نشانیوں سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی نشانیاں ہیں اور پوچھنے والوں سے مراد یہودی یا کفار مکہ ہیں اور اگر ان کا اعتبار نہ کیا جائے تو آیات سے مراد وہ عبرتیں ہیں جو یوسف علیہ السلام کے قصے میں پائی جاتی ہیں اور پوچھنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کی آیات کو دیکھ کر نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ صاحب معالم نے ان عبرتوں کو خوب تفصیل سے لکھا ہے۔ ابن عاشور نے لکھا ہے کہ اہل عرب کی بلاغت کا یہ ایک اسلوب ہے کہ وہ متوجہ کرنے کے لیے سائل کا ذکر کرتے ہیں۔ مراد اس بات کو سننے کا شوق دلانا ہوتا ہے۔۔۔[1]

حدیث میں آتا ہے کہ امام حاکم (رحمۃ اللہ علیہ) نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن کریم نازل کیا گیا آپ قرآن کریم لوگوں کو ایک زمانہ تک پڑھ کر سناتے رہے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ اور واقعات بیان کیجئے اس پر اللہ تعالیٰ نے اس بڑے عمدہ واقعہ کی اطلاع دی۔

اور ابن جریر (رحمۃ اللہ علیہ) نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی واقعہ ہم سے بیان کیجئے، اس پر اللہ تعالیٰ

---

[1] حافظ عبدالسلام بھٹوی، تفسیر القرآن الکریم

نے یہ واقعہ نازل فرمایا ہم نے جو یہ قرآن آپ کے پاس بھیجا ہے، اس کے ذریعے، ہم آپ سے ایک عمدہ واقعہ بیان کرتے ہیں، نیز ابن مردویہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔[1]

ابن ابی حاتم (رحمۃ اللہ علیہ) نے حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آیت "لَقَدْ كَانَ فِیْ یُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖۤ اٰیٰتٌ لِّلسَّآىِٕلِیْنَ" میں آیات سے مراد خواب کی تعبیر ہے۔

ابوالشیخ (رحمۃ اللہ علیہ) نے ضحاک (رحمۃ اللہ علیہ) سے روایت کیا کہ انھوں نے آیت "لَقَدْ كَانَ فِیْ یُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖۤ اٰیٰتٌ لِّلسَّآىِٕلِیْنَ" کے بارے میں فرمایا کہ جو شخص یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے بارے میں سوال کرے تو یہ ان کی خبر اور واقعہ ہے۔

ابن جریر (رحمۃ اللہ علیہ) نے ابن اسحاق (رحمۃ اللہ علیہ) سے روایت کیا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اپنی قوم کی بغاوت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت کی عزت ملنے پر ان کے حسد کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دینے اور یوسف علیہ السلام کی اقتداء کرنے کے لیے آپ کے سامنے یوسف علیہ السلام کا ذکر فرمایا، ان کے بھائیوں کی بغاوت کا ذکر فرمایا اور بھائیوں نے جو حسد کیا اس کو بیان فرمایا۔[2]

مولانا امین احسن اصلاحی رقمطراز ہیں:

اصل سرگزشت کے شروع کرنے سے پہلے ایک تنبیہ ہے کہ مخاطب اس کو محض ایک کہانی کی طرح نہ سنیں بلکہ اس میں ان بہت سے سوالوں کے جواب مضمر ہیں جو دعوت اسلامی کے اس دور میں مخالفین و موافقین دونوں ہی کے ذہنوں میں اُبھر رہے ہیں۔ اس

---

[1] پروفیسر محمد سعید احمد عاطف، تفسیر ابن عباس

[2] جلال الدین سیوطی، درمنثور

گروپ کی پچھلی دونوں سورتوں (سورۃ یونس وسورۃ ھود) میں حق کے غلبہ اور باطل کی ہزیمت کا مضمون مختلف اسلوبوں سے بیان ہوا ہے لیکن جس وقت یہ مضمون بیان ہوا ہے پورے ملک پر اس طرح کفر کی تاریکی چھائی ہوئی تھی کہ یہ تصوّر کرنا کچھ آسان نہ تھا کہ یہ تاریکی ایک دن بالکل کافور ہو جائے گی اور جو شخص آج اپنے چند نہایت مظلوم ساتھیوں کے ساتھ وقت کے متمردین کے ہاتھوں ہر قسم کے مصائب ومظالم کا ہدف ہے ایک دن آئے گا کہ یہ تمام متمردین اس کے آگے گھٹنے ٹیک کر اس سے رحم و کرم کی التجائیں کریں گے۔ قرآن نے اس تصوّر کو ذہنوں کے قریب لانے کے لیے یہ سرگزشت سنائی تاکہ اس امر سے متعلق ذہنوں میں جتنے بھی سوالات وشبہات موجود ہوں یا آئندہ پیدا ہو سکتے ہوں وہ دور ہو جائیں اور لوگوں کو اندازہ ہو جائے کہ خدا کی شانیں یوں ظاہر ہوتی ہیں اور اس کے ارادے اور منصوبے یوں بروئے کار آتے ہیں۔[1]

چنانچہ اس سرگزشت کو محض داستاں گوئی کے لیے نہ پڑھا جائے بلکہ اس میں جو عظیم الشاں نشانیاں، عبرتیں، بصیرتیں اور ہدایتیں بیان کی گئی ہیں ان پر غور وفکر کیا جائے تاکہ بصیرت اور آگاہی حاصل ہو۔ اور یہ کہ اللہ جل شانہ کس قدر عظمت و بزرگی والا ہے، کہ اپنے خفیہ منصوبوں سے کس انداز میں اپنے بندوں کی دستگیری فرماتا ہے۔

---

[1] امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن

# بہترین سرگزشت

قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

(ترجمہ آیت) ہم آپ کو (احسن القصص) ایک بہترین سرگزشت سناتے ہیں، اس قرآن کی بدولت جو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے۔ اس سے پہلے بیشک آپ اس سے ناآشنا تھے[1]

مفسرینِ کرام کے مطابق:

احسن القصص کے معانی اعجب القصص کے ہیں یعنی یہ قصہ بہت ہی عجیب ہے علامہ آلوسی (رحمۃ اللہ علیہ) لکھتے ہیں! یہ اس لیے احسن القصص ہے کہ اس میں حاسد و محسود، مالک ومملوک، شاہد ومشہود، عاشق ومعشوق، قید و رہائی، قحط وخوشحالی، گناہ اور عفو، فراق ووصال، بیماری وصحت، حل وارتحال، اور عزت وذلت کا بیان ہے۔ [2]

یہ گویا ماضی کا واقعی اور حقیقی بیان ہے اور اس واقعہ میں حسد وعناد کا انجام، تائید الٰہی کی کرشمہ سازیاں، نفس امارہ کی شورشیں اور سرکشیوں کا نتیجہ اور دیگر انسانی عوارض وحوادث کا نہایت دلچسپ بیان اور عبرت انگیز پہلو ہیں، اس لیے قرآن نے اس کو احسن القصص

---

[1] سورۃ یوسف 3:12

[2] عبدالقیوم قاسمی، تفسیر معارف الفرقان

(بہترین بیان) سے تعبیر کیا ہے۔[1]

اس میں جو درس اخلاقیات ہے وہ قصص انبیاء میں سے کسی دوسرے حصہ میں نہیں۔ اس میں سیرت شاہان، مکر زنان، انجام حسد، ثمر صبر، فریاد رسی مظلوماں، ناکامی ظالماں، و دیگر ایمانی و اخلاقی عبر و دروس ہیں تو اس لیے اسے احسن القصص کہا گیا۔

پھر انبیاء سابقین میں سے جو حسن صورت حضرت یوسف علیہ السلام کو دیا گیا اس کی مثال نہیں پھر ان کے نسب سے بڑھ کر کسی کا نسب نہیں تھا، ان میں جو علوم جمع کیے گئے ان کی بھی قصص الانبیاء میں مثال نہیں اس لئے بھی یہ احسن القصص ہے۔[2]

اس کا انداز نہایت ہی بلیغ اور اس کا اسلوب غایت درجہ فصیح ہے اور اس مضمون میں جو خبریں بیان کی گئی ہیں وہ بالکل سچی ہیں اور جو نصیحتیں اور علم و حکمت کے موتی اس میں بکھرے پڑے ہیں وہ بڑے کام کے اور بڑے ہی قیمتی ہیں۔[3]

جو بہت سے عجائب و غرائب اور حکمتوں اور عبرتوں پر مشتمل ہے اور اس میں دین و دنیا کے بہت فوائد اور سلاطین و رعایا اور علماء کے احوال اور عورتوں کے خصائص اور دشمنوں کی ایذاؤں پر صبر اور ان پر قابو پانے کے بعد ان سے تجاوز کرنے کا نفیس بیان ہے، جس سے سننے والے میں نیک سیرتی اور پاکیزہ خصائل پیدا ہوتے ہیں۔ صاحب بحر الحقائق نے کہا کہ اس بیان کا احسن ہونا اس سبب سے ہے کہ یہ قصہ انسان کے احوال کے ساتھ کمال مشابہت رکھتا ہے۔[4]

---

[1] صلاح الدین یوسف، تفسیر مکہ

[2] قاری محمد طیب، تفسیر برہان القرآن

[3] ابو نعمان سیف اللہ خالد، دعوۃ القرآن

[4] نعیم الدین مراد آبادی، تفسیر خزائن العرفان

جو متعدد اور مختلف بصیرتیں مختلف قصوں سے مقصود تھیں وہ سب اس میں یکجا کر دی گئی ہیں، اور یہ تو بہر حال واقعہ ہے کہ فطرت بشری کی کارفرمائیاں اور اس کے جتنے حقائق و اسرار اس ایک سورت میں اکٹھے مل جاتے ہیں ان کے لحاظ سے تو یہ سورت بس اپنی نظیر آپ ہے۔ ہوسکتا ہے کہ احسن القصص میں یہ پہلو بھی ہو کہ حضرت یوسف علیہ السلام اور برادران یوسف علیہ السلام کے درمیان جو واقعات پیش آئے وہ اس صورت حال کا نقشہ پیش کر رہے تھے۔ (روح)[1]

اس کو احسن القصص کہنے کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ انسانی زندگی کے تمام کرداروں کو یہاں اس خوبی سے پیش کیا گیا ہے کہ ہر ایک کی حقیقت نکھر کر سامنے آگئی ہے اور اسی کے ضمن میں زندگی کے ان مسائل کو بیان کیا گیا ہے جن کا انسانی معاشرہ کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ اس میں توحید کے دلائل، خوابوں کی تعبیر، سیاسی مسائل، معاشرہ کی پیچیدگیاں، معاشی اصلاح کی تدابیر۔ غرضیکہ تمام وہ امور جو دین اور دنیا کی اصلاح میں موثر ثابت ہو سکتے ہیں بڑی عمدگی سے بیان کر دئیے گئے۔ (قرطبی)[2]

جو عمدہ و احسن ہے اپنی موضوعیت و مقصدیت کے اعتبار سے بھی اور قوت و تاثیر کے لحاظ سے بھی۔ افادیت و ہدایت کے اعتبار سے بھی اور زبان و بیان کی لذت و حلاوت اور فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے بھی۔ اور اس قدر کہ اس کی کوئی نظیر و مثال اس جامعیت کے اعتبار سے کسی بھی دوسری کتاب میں کبھی نہیں مل سکے گی۔ خواہ وہ کوئی انسانی کتاب ہو یا کوئی الہامی اور آسمانی کتاب۔

اس کی یہ احسنیت ان اغراض و مقاصد، فوائد و حکم اور دروس و عبر کے اعتبار سے ہوگی

---

[1] عبدالماجد دریا آبادی، تفسیر ماجدی

[2] پیر کرم شاہ الازہری، تفسیر ضیاء القرآن

جواس قصہ سے مستنبط ہوتے ہیں اور جواس طرح کی جامعیت کے ساتھ کسی بھی اور قصے میں یکجا طور پر کہیں نہیں مل سکیں گے۔ سو یہ قصہ اپنے مضمون و مدعا اور معانی و مطالب کے اعتبار سے بھی احسن ہے اور اپنی ادائے بیان کے لحاظ سے بھی یہ احسن اور بہترین قصہ ہے۔

(الکبیر، الفتوحات، المنار، المراغی، الجامع وغیرہ)۔ [1]

کیونکہ قرآن میں کوئی ایسا قصہ نہیں جس میں وہ عبرتیں اور حکمتیں ہوں جو اس قصہ میں ہیں۔ اور اس کا بیان اس سورت کے آخر میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے۔ لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ؕ ایک قول یہ ہے: حضرت یوسف علیہ السلام کے اپنے بھائیوں کو درگزر کرنے، ان کی اذیتوں پر آپ کے صبر، ان کا آپ کو کنویں میں لٹکانے کے بعد آپ کا ان کو معاف کرنا اور ان کو معاف کرنے میں آپ کے کرم کے حسن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کا نام احسن القصص رکھا ہے۔ حتیٰ کہ آپ نے فرمایا: لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ ایک قول یہ ہے: کیونکہ اس میں انبیاء، صالحین، فرشتوں، شیاطین، جن، انسان، جانور، پرندے، بادشاہوں کی سیرت، مختلف ممالک، تاجر، علماء، جاہل، مردوں، عورتوں اور ان کے حیلوں اور فریبوں کا ذکر ہے اور اس میں توحید، فقہ، بین الاقوامی قانون، خوابوں کی تعبیر، سیاست، معاشرت، تدبیر معاش اور ان تمام فوائد کا ذکر ہے، جو دین و دنیا کی اصلاح کرتے ہیں۔ [2]

اس قصہ کو احسن القصص اس لیے کہا کہ اس میں بہت سی عبرتناک باتیں ہیں۔ یعقوب علیہ السلام کا مصیبت کے بعد راحت کا منہ دیکھنا' بھائیوں کے حسد کی وجہ سے یوسف علیہ السلام کا محکوم ہونا' عصمت و عفت کی بدولت یوسف علیہ السلام کو مرتبہ صدیقیت حاصل ہونا۔ [3]

اس سورت میں نفسیاتِ انسانی کی بعض مخفی کیفیتیں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں، حسد و عناد

---

[1] اسحق مدنی، تفسیر مدنی کبیر

[2] ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبی، تفسیر قرطبی

[3] ابومحمد عبدالحق حقانی، تفسیر حقانی

کا انجام، محبت کا ذب و صادق میں امتیاز، معصیت کی جانب میلان بشری، یہ سب چیزیں نہایت عمدگی سے بیان کی ہیں۔ [1]

جو شخص بھی اس سورت کو غور سے پڑھے گا، اس کے سامنے اس کا اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ ہونا خود بخود کھلتا چلا جائے گا۔

اس کے احسن القصص ہونے کی دو جہتیں ہیں۔

ایک جہت تو ہے اس واقعہ کے اجزاء کے اندر اور دوسری جہت ہے اس کے مقاصد کے اندر۔ جہاں تک اس کے مقاصد کا تعلق ہے وہ اگرچہ متعدد اور متنوع ہیں لیکن ان میں ایک تو بہت واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت جب کسی کام کا فیصلہ کر لیتی ہے تو پھر اس کے اسباب خود بخود اس طرح فراہم ہوتے ہیں کہ دیکھنے والی نگاہ جس واقعہ کو اس کا مخالف سمجھتی ہے اسی سے مشیت کی موافقت پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے عزیز اور با کمال بھائی کو راستے سے ہٹانے بلکہ نیست و نابود کرنے کے لیے کنویں میں پھینکا تاکہ وہ وہاں بھوکا پیاسا مر جائے اور یا کوئی قافلہ اسے نکال کر لے جائے اور غلام بنا کر بیچ ڈالے۔ دیکھنے والی نگاہ یہی سمجھتی تھی کہ برادرانِ یوسف علیہ السلام اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے، لیکن ان کا یہ مجرمانہ فعل اللہ تعالیٰ کی مشیت یعنی یوسف علیہ السلام کی کامیابیوں کا پہلا زینہ ثابت ہوا۔ وہ اگر آپ کو کنویں میں نہ پھینکتے تو ظاہر ہے کہ آپ کبھی بھی مصر جانے کا ارادہ نہ کرتے۔ اسی طرح زلیخا نے انتقام کی آگ بجھانے کے لیے آپ کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے بھیجا، لیکن وہی جیل آپ کے لیے تختِ مصر کا راستہ بن گئی۔ آپ بلندیوں کے زینے چڑھتے ہوئے مصر کی حکومت پر فائز ہو گئے۔

دوسری جہت اس واقعہ کے اجزاء کے اندر ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا لڑکپن میں

---

[1] مولانا محمد حنیف ندوی، تفسیر سراج البیان

آزمائشوں میں ڈالا جانا اور پھر انہی آزمائشوں کا کامرانیوں کے ذرائع میں تبدیل ہو جانا، مصر میں ایک اچھا ٹھکانا دستیاب ہونا، پھر وہیں خوشیوں کے مرکز سے غموں کا پھوٹنا اور جیل تک پہنچ جانا، پھر آپ علیہ السلام کے جیل کے ساتھیوں کا رہا ہو جانا اور آپ علیہ السلام کی قید کا دراز ہو جانا۔ ان قدم قدم بدلتے ہوئے حالات میں سے آپ علیہ السلام کی پختہ سیرت و کردار کا پیدا ہونا اور آپ علیہ السلام کے کمالات کی شہرت کا پھیلنا، نہ جیل کی اذیتوں کا آپ علیہ السلام کو کمزور کرنا اور نہ حسن کی فرمائشوں کا آپ علیہ السلام کو بدراہ کرنا، اسی طرح کے کئی اور واقعات اور اس میں حیران کن تبدیلیاں اس واقعہ کو اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔ اس میں جہاں آپ علیہ السلام کی نبوت کے دلائل ہیں وہیں قریش مکہ کے لیے بھی عبرت کا سامان ہے۔[1]

اس ایک واقعہ میں جس قدر عبرت و موعظت نصائح اور تذکیر و پند موجود ہیں۔ دوسرے کسی واقعہ میں یکجا موجود نہیں ہیں مثلاً یہ کہ خداوند قدوس کی تقدیر کو کوئی چیز نہیں روک سکتی اور خدا جب کسی پر فضل کرنا چاہے تو سارا جہان مل کر بھی اپنی ساری امکانی تدابیر سے اسے محروم نہیں کر سکتا۔ صبر و استقامت دنیوی و اخروی کامیابی کی کلید ہے۔ حسد اور عداوت کا انجام نقصان کے سوا کچھ نہیں۔ عقل انسانی بڑا شریف جوہر ہے جس کی بدولت آدمی بہت سی مشکلات پر غالب آتا اور زندگی کو کامیاب بنا لیتا ہے اخلاقی شرافت عفت اور پاکدامنی موجب عزت اور رفعت ہے اور انسان کو دشمنوں اور حاسدوں کی نظر میں بھی آخر کار معزز بنا دیتی ہے۔[2]

یوسف علیہ السلام کی سرگزشت کا بہترین سرگزشت ہونا گوناگوں وجوہ سے ہے:

**اولاً:** اس سرگزشت میں بیان ہوا ہے کہ یوسف علیہ السلام کی زندگی میں ان کے ہوش سنبھالنے سے لے کر بڑی عمر کو پہنچنے تک کس طرح موڑ آئے اور ہر موڑ پر اللہ نے ان کی کس طرح رہنمائی کی اور انھوں نے کس طرح بلندی کردار کا ثبوت دیا۔

---

[1] مولانا ڈاکٹر محمد اسلم صدیقی، تفسیر روح القرآن

[2] محمد اسحق، تفسیر درس قرآن

**ثانیاً:** عنفوانِ شباب میں ان کی پاک دامنی کا ایسا امتحان ہوتا ہے جس کی مثال تاریخ میں ملنا مشکل ہے۔ اس امتحان میں وہ اس طرح پورے اترتے ہیں کہ ان کے حریفوں کو ان کے فرشتہ ہونے کا شبہ ہونے لگتا ہے۔

**ثالثاً:** ان کی سرگزشت میں عبرت و موعظت کے چند نہیں بلکہ بہ کثرت پہلو ہیں۔

**رابعاً:** یہ سرگزشت سیرت یوسف علیہ السلام کا ایسا مرقع پیش کرتی ہے جو بڑا ہی عجیب اور بڑا ہی دلکش ہے اور پھر صداقت سے ذرہ برابر متجاوز نہیں۔

**خامساً:** یہ ایک جامع سرگزشت ہے جس کے لیے ایک سورۃ کا نزول ہوا جو ایک سو سے زیادہ آیتوں پر مشتمل ہے اور اسی سرگزشت کے لیے مختص ہے۔

**سادساً:** اس سرگزشت میں مختلف کردار سامنے آتے ہیں مگر یوسف علیہ السلام کا کردار اپنی قیمت اس طرح منوا لیتا ہے کہ جس کو ناقدروں نے حقیر پتھر خیال کر کے پھینک دیا تھا وہ درحقیقت بڑا قیمتی ہیرا تھا اور بالآخر وہ تاج بن کر چمکا۔[1]

یہ کس لحاظ سے بہترین سرگزشت ہے؟ امین احسن اصلاحی نے جن پہلوؤں کی طرف توجہ دلائی ہے اُن کا خلاصہ درجِ ذیل ہے:

1۔ اس میں حسن و عشق کی چاشنی ہے، مگر یوسف علیہ السلام جو اس قصے کا مرکزی کردار ہیں، ان کی شخصیت اسے پاکیزگیِ سیرت و کردار کا ایک ایسا مرقع بنا دیتی ہے کہ پڑھنے والا اس کے اندر اپنے ایمان کے لیے غذا اور اپنی روح کے لیے لذت و حلاوت محسوس کرتا ہے۔

2۔ یوسف علیہ السلام کی فطرت کے جو جوہر اس قصے میں نمایاں ہوتے ہیں، وہ ایسے شاندار ہیں کہ ہر پڑھنے والے کے اندر ان کی تقلید کا جذبہ اُبھرتا ہے اور خاص بات یہ ہے کہ یہ تقلید

---

[1] محمد اسحق، تفسیر درس قرآن

ناممکن نہیں، بلکہ ممکن محسوس ہوتی ہے۔

3۔ یہ سرگزشت بتاتی ہے کہ انسان کا ظاہری حسن تو زنانِ مصر کی آنکھیں بھی دیکھ لیتی ہیں، لیکن اس کے باطن کا حسن اس وقت نمایاں ہوتا ہے، جب وہ زندگی کے مختلف مراحل میں اس کی آزمائشوں سے گزرتا ہے۔ سیدنا یوسف علیہ السلام کی شخصیت کا یہ حسن بھی اسی طرح نمایاں ہوا ہے اور اس سرگزشت میں وہ ذہانت، صداقت، پاکیزگی، پاک دامنی اور انتقام کی قدرت کے باوجود عفو و درگزر کی ایک زندہ جاوید مثال بن کر اُبھرے ہیں۔

4۔ ''اس میں جو حالات و واقعات پیش آئے ہیں، وہ نہایت حیرت انگیز ہیں، مگر کسی جگہ محسوس نہیں ہوتا کہ ان میں کوئی چیز بے جوڑ اور بے ربط ہوگئی ہے یا حالات کی فطری رفتار کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتی۔''[1]

مختصراً یہ کہ اس قصہ میں عجائب و کمالاتِ قدرت ہیں، عبرتیں اور حکمتیں ہیں، وقائق اور فوائد ہیں جو دین و دنیا کے حالات کو درست کرنے والے ہیں۔ بادشاہوں اور رعایا کی سیرتیں اور علماء کے خصائل ہیں، عورتوں کی مکاری کا اظہار ہے، دشمنوں کی ایذاء پر صبر کرنے کا بیان ہے۔ ابن عطاء نے کہا: ہر غم رسیدہ سورۃ یوسف سن کر کچھ چین پاتا ہے۔[2]

---

[1] جاوید احمد غامدی، تفسیر البیان

[2] قاضی ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری

# یوسف علیہ السلام کا خاندان

(ترجمہ آیت) بیشک ہم نے وحی بھیجی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف جیسا کہ وحی بھیجی ہم نے نوح (علیہ السلام) کی طرف اور ان نبیوں کی طرف جو نوح (علیہ السلام) کے بعد آئے اور ہم نے وحی بھیجی ابراہیم (علیہ السلام) کی طرف اور اسمٰعیل (علیہ السلام) کی طرف اور اسحاق (علیہ السلام) کی طرف اور یعقوب (علیہ السلام) کی طرف اور ان کی اولاد در اولاد کی طرف اور عیسیٰ (علیہ السلام) کی طرف اور ایوب (علیہ السلام) کی طرف اور یونس (علیہ السلام) کی طرف اور ہارون (علیہ السلام) کی طرف اور سلیمان (علیہ السلام) کی طرف اور دی ہم نے داوٗد (علیہ السلام) کو زبور کتاب۔[1]

اور ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو اسحاق (علیہ السلام) اور یعقوب (علیہ السلام) عطا کیے۔ ہر ایک کو ہم نے سیدھی راہ دکھائی اور نوح (علیہ السلام) کو اس سے پیشتر ہدایت دے چکے تھے اور اس (ابراہیم علیہ السلام) کی اولاد میں سے ہم نے داود (علیہ السلام)، سلیمان (علیہ السلام) ایوب (علیہ السلام)، یوسف (علیہ السلام)، موسیٰ (علیہ السلام) اور ہارون (علیہ السلام) کو ہدایت دی تھی اور ہم نیکو کاروں کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں۔[2]

---

[1] سورۃ النساء 163:4

[2] سورۃ الانعام 84:6

## تاریخی و جغرافیائی حالات

حضرت یوسف علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے پوتے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پر پوتے تھے۔ فلسطین میں حضرت یعقوب علیہ السلام وادیٔ حبرون، جسے آج کل الخلیل کہتے ہیں، میں قیام پذیر تھے، حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مسکن بھی یہی وادی تھی۔ سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کی تحقیق کے مطابق حضرت یعقوب علیہ السلام کی کچھ زمین سکّم (موجودہ نابلس) میں بھی تھی۔ بائبل کے علماء کی تحقیق اگر درست مانی جائے تو حضرت یوسف علیہ السلام کی پیدائش 1906 قبل مسیح کے لگ بھگ زمانے میں ہوئی اور 1890 قبل مسیح کے قریب زمانے میں وہ واقعہ پیش آیا جس سے اس قصہ کی ابتدا ہوتی ہے، یعنی خواب دیکھنا اور کنویں میں پھینکا جانا۔ اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر 17 برس کی تھی۔ جس کنویں میں وہ پھینکے گئے وہ بائبل اور تالمود کی روایت کے مطابق سکم کے شمال (موجودہ دثان) کے قریب واقع تھا۔ اور جس قافلے نے انہیں کنویں سے نکالا وہ جلعاد (شرق اردن) سے آ رہا تھا اور مصر کی طرف عازم تھا۔ (جلعاد کے کھنڈرات اب بھی دریائے اردن کے مشرق میں وادیٔ الیابس کے کنارے واقع ہیں) [1]

مولانا عبدالماجد دریا آبادی لکھتے ہیں:

مشہور و نامور پیمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام 2160 تا 1985 ق م سے مشہور و نامور دو نسلیں چلیں۔ ایک بی بی ہاجرہ (علیہا السلام) مصری کے بطن سے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام سے۔ یہ نسل بنی اسماعیل کہلائی۔ اور آگے چل کر قریش اسی کی ایک شاخ پیدا ہوئی۔ ان کا وطن عرب رہا۔ دوسری، بی بی سارہ علیہا السلام عراقی کے بطن سے فرزند حضرت اسحاق علیہ السلام کے فرزند

---

[1] سیّد ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، جلد دوم، ص 381

حضرت یعقوب عرف حضرت اسرائیل علیہ السلام سے یہ نسل بنی اسرائیل کہلائی۔اس کا وطن شام رہا۔قدیم جغرافیہ میں فلسطین کوئی الگ الگ ملک نہ تھا،شام ہی کا جز وتھا۔ایک تیسری نسل، تیسری بیوی حضرت قطورہ سے چلی،اور بنی قطورہ کہلائی،لیکن اسے تاریخ میں اس درجہ کی اہمیت حاصل نہیں۔بنی اسرائیل کا عروج صدیوں تک رہا۔توحید کی علمبر دار دنیا میں یہی قوم رہی۔انبیاء ومرسلین ان کے درمیان ہوتے رہے۔بڑے بڑے عابدوزاہد ان میں پیدا ہوئے۔حکمران،سلاطین اور فوجی جنرل بھی ان میں بڑے بڑے پیدا ہوتے رہے۔نزولِ قرآن کے وقت ان کا دنیوی اقتدار مدت ہوئی،رخصت ہو چکا تھا۔اپنے وطن سے نکل کر عراق،مصر وغیرہ اطراف و جوانب میں پھیل چکے تھے۔اور ان کے بعض قبیلے حجاز و اطراف حجاز خصوصًا یثرب (اسی کا نام بعد کو مدینۃ النبی پڑا) اور حوالی یثرب میں آباد ہو چکے تھے۔[1]

مولانا عبدالماجد دریا آبادی مزید لکھتے ہیں:

”بنی اسرائیل“ تو ایک قومی ونسلی اصطلاح ہے۔مذہبی حیثیت سے یہ لوگ یہود تھے، اہل کتاب تھے۔توراۃ محرف ومسخ شدہ ہو کر،لیکن بہرحال ان کے درمیان موجود تھی۔سلسلہ وحی ونبوت اور عقیدہ جزاوسزا کے کسی نہ کسی صورت میں قائل تھے۔علوم انبیاء ومعارف اولیاء کے حامل تھے۔مالدار تھے،ساہوکار تھے۔ساتھ ہی سفلی عملیات،سحر وکہانت نیز تجارت کے بھی بڑے ماہر تھے۔حجاز کی آبادی میں اس دینی و دنیوی تفوق کی بنا پر انہیں اس وقت اچھی خاصی اہمیت حاصل تھی،ملک کی عام آبادی مشرکوں اور بت پرستوں کی تھی،وہ لوگ ایک طرف تو یہود کے علم وفضل کے قائل اور ان کی دینی و دنیوی اکثر حاجتوں میں انہیں کو مشکل کشا جانتے تھے اور جیسا کہ عام قاعدہ ہے کہ منظم وقاہر قوموں کے تمدن سے کمزور اور غیر منظم

---

[1] عبدالماجد دریا آبادی،تفسیر ماجدی

قومیں مرعوب ومتاثر ہو جاتی ہیں، مشرکین عرب بھی اسرائیلی اخلاق، اسرائیلی روایات، بلکہ اسرائیلی عقائد سے بہت کچھ متاثر ہو چکے تھے، اور بہت سے مسائل میں یہود کو اپنا استاد جانتے تھے۔ ان سب چیزوں کے علاوہ، یہود کے مذہبی نوشتوں اور اسرائیلیوں کی مقدس زبانی روایتوں، دونوں میں ایک آنے والے نبی کی بشارت موجود تھی اور یہ لوگ اس نبی موعود کے ظہور کے منتظر رہتے تھے۔۔۔۔۔

مولانا عبدالماجد دریا آبادی مزید لکھتے ہیں:

مدت دراز ہوئی ایک بڑے مقبول، برگزیدہ بندہ کی اولاد میں ایک خاص نسل کو توحید کی نعمت خاص سے سرفراز کیا گیا تھا مگر وہ قوم اس کی نااہل ثابت ہوئی۔ موقعے اسے بار بار دیئے گئے، رعایت اس کے ساتھ بار بار کی گئی لیکن ہر بار اس نے اس نعمت کو اپنے ہاتھوں ضائع کیا، یہاں تک کہ اپنی نسل کے آخری پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مخالفت میں تو حد سے ہی گزر گئی۔ طویل و مسلسل مراعات کے بعد اب حکومت الٰہی کا دستور ایک نیا ضابطہ اختیار کرتا ہے۔ اس ناشکر گزار، نافرمان، عصیان پیشہ قوم کو اس منصب سے معزول کیا جاتا ہے اور یہ نعمت اس سے چھین کر ایک اسمٰعیلی پیغمبر کے واسطہ سے دنیا کی تمام قوموں اور ساری نسلوں کے واسطے عام کی جارہی ہے۔[1]

حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب اسرائیل تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے۔ ان کی پہلی بیوی لیابنت لیان بن ناہر تھی اور یہ ماموں کی بیٹی ہیں ان سے چھ بیٹے ہوئے ان کے نام یہ ہیں: یہودا، روبیل، شمعون، لاوی، ریالون، یشجر۔

اور چار بیٹے زلفہ اور بلہہ سے ہوئے ان کے نام یہ ہیں: دان، یفتالی، جاد، آشر۔

---

[1] عبدالماجد دریا آبادی، تفسیر ماجدی

زلفہ اور بلہہ دونوں بہنیں تھیں اور دونوں آپ کے نکاح میں بیک وقت تھیں اور جو دو بہنوں کا ایک وقت میں جمع حرام ہے وہ اس وقت نہ تھا۔(یہ امت محمدیہ میں حرام ہوا) اس کے متعلق علامہ آلوسی (رحمۃ اللہ علیہ) لکھتے ہیں:

دونوں بہنیں ایک وقت میں جمع تھیں اور یہ آپ کے لیے حلال تھیں۔ آپ کے بعد پھر کسی کے لیے حلال نہیں رہیں۔ اسی تحقیق کے ساتھ یہود بھی متفق ہیں۔

اور لیا، زلفہ، بلہہ کے انتقال کے بعد لیا کی بہن حضرت راحیل سے آپ علیہ السلام نے عقد فرمایا ان سے دو صاحبزادے ہوئے بنیامین اور حضرت صبیح الحسن یوسف علیہ السلام۔

اس بنا پر دس بھائی علاتی مانے جاتے ہیں۔ حقیقی بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کے صرف حضرت بنیامین تھے۔ چنانچہ آلوسی (رحمۃ اللہ علیہ) روح المعانی میں تصریح فرماتے ہیں:

یہ دس بنی علات تھے۔ یعنی باپ کی طرف سے تھے۔ مائیں ان کی علیحدہ تھیں اور بنیامین اور یوسف علیہ السلام عینی بھائی تھے۔ یعنی باپ اور ماں دونوں کے ایک تھے۔ اس قسم کے بھائی حقیقی اور سگے کہلاتے ہیں اور جس کی ماں علیحدہ علیحدہ ہو وہ سوتیلے کہلاتے ہیں ویسے اسباط میں یہ سب داخل ہیں۔ چنانچہ یہ بارہ صاحبزادے اسباط تھے۔[1]

## حضرت یوسف علیہ السلام

احادیث مبارکہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کی بہت سی شرافتیں اور بزرگیاں بیان ہوئی ہیں: حضرت یوسف علیہ السلام بہت خوبصورت تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، شب معراج، میں نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو آدھا حسن انہی اکیلے کو ملا ہے اور آدھا ساری دنیا کو او کما قال علیہ السلام

---

[1] علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی، تفسیر اشرفی مرتب 1369ھ 1950ء

اوران کی جبین میں نورنبوت بھی تھا۔ یہ بھی ان سے باپ کی محبت کا سبب تھا کہ حدیث میں ارشاد ہے کریم ابن الکریم ابن الکریم ابن الکریم یوسف علیہ السلام بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں یہ شان ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے کہ باپ صحابی خود صحابی اولاد صحابی اور نواسے اور پوتے صحابی رضوان اللہ علیہم اجمعین [1]

واقعہ معراج کی حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے دعائے خیر کا بھی ذکر ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔۔۔میں نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا اور اللہ نے انہیں حسن کا نصف حصہ عطا فرمایا تھا انھوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور میرے لیے دعائے خیر کی۔۔۔[2]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ یوسف علیہ السلام بن یعقوب علیہ السلام بن اسحاق علیہ السلام بن ابراہیم علیہ السلام کریم بن کریم بن کریم بن کریم ہیں۔[3]

(صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ایک سوال میں) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔۔۔انسانوں میں سب سے زیادہ شریف و بزرگ حضرت یوسف علیہ السلام ہیں جو اللہ کے نبی حضرت یعقوب (علیہ السلام) کے بیٹے حضرت اسحٰق (علیہ السلام) کے پوتے اور اللہ کے دوست حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پر پوتے ہیں یعنی حضرت یوسف علیہ السلام میں کئی طرح کی شرافت و بزرگیاں جمع ہیں کہ خود بھی نبی ہیں اوران تین پشتوں میں نبوت رہی ہے ان کے پردادا کو خلیل اللہ کا لقب ملا ہے کہ اللہ نے ان کو خالص دوست قرار دیا ہے پھر وہ علم و دانائی، حسن و جمال، عفو و کرم،

---

[1] امیر محمد اکرم اعوان، اسرار التنزیل

[2] ابوالحسین بن حجاج بن مسلم نیشاپوری، صحیح مسلم، جلد 1، حدیث 411

[3] محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، جلد دوم، حدیث نمبر 641

اخلاق و احسان، عدل و انصاف اور دینی و دنیاوی سرداری و حکمرانی کے اوصاف سے بھی متصف تھے لہٰذا اس اعتبار سے وہ انسانوں میں سب سے زیادہ بزرگ و شریف انسان تھے۔

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کریم بن کریم بن کریم اگر کوئی ہوسکتا ہے تو وہ حضرت یوسف علیہ السلام بن یعقوب علیہ السلام بن اسحٰق علیہ السلام بن ابراہیم علیہ السلام ہیں۔(بخاری) تشریح مطلب یہ ہے کہ خاندانی شرافت و عظمت اور نسبی برتری کی جو خصوصیات حضرت یوسف علیہ السلام کو حاصل ہیں وہ کسی اور کو نہیں، سب سے بڑا شرف ان کے علاوہ اور کسی انسان کو حاصل نہیں ہوا کہ وہ خود نبی تھے، ان کے باپ نبی تھے، ان کے دادا نبی تھے اور ان کے پردادا نبی تھے۔ اس خصوصیت کے علاوہ ان کو حسن و جمال، عدل و انصاف، علم و دانائی اور ریاست و حکومت کے جو اوصاف حاصل تھے ان کے اعتبار سے ان کی ذاتی مکرمت اور شرافت کو سب سے برتر مقام حاصل ہے۔[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا حضرت یوسف علیہ السلام کو نصف حسن دیا گیا ہے۔[2]

ربیعہ جرشی سے روایت ہے کہ حسن کے دو حصے کیے گئے، چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کی والدہ کو آدھا حسن عطا کیا گیا، اور باقی تمام مخلوق کو آدھا عطا کیا گیا۔[3]

بات حسن کی آئی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حسن کے بارے میں ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے دو شعر نقل کیے گئے ہیں، جن کا مطلب یہ ہے کہ زلیخا کی سہیلیاں اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

---

[1] محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی، مشکوٰۃ، جلد چہارم، حدیث نمبر 828

[2] ابوعبداللہ احمد بن حنبل الشیبانی : مسند احمد، جلد پنجم : حدیث نمبر 2980

[3] حافظ ابوبکر، مصنف ابن ابی شیبہ : جلد نہم : حدیث نمبر 1637

کے چہرۂ انور کو دیکھ لیتیں تو ہاتھوں کے بجائے دلوں کو کاٹ دیتیں۔ (خصائل نبوی، صفحہ 33)

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں
سر کٹاتے ہیں تیرے نام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ مردانِ عرب

(احمد رضا خاں بریلوی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں پوری اولاد آدم کا سردار ہوں اور اس پر مجھے کوئی فخر نہیں ہے۔ [1]

حسن یوسف دم عیسیٰ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

(عبدالرحمٰن جامی)

(ترجمہ) آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رکھتے ہیں یوسف (علیہ السلام) کا حسن عیسیٰ (علیہ السلام) کا دم (وہ الفاظ جس سے وہ مردوں کو زندہ کرتے تھے) اور موسیٰ (علیہ السلام) کا سفید ہاتھ والا معجزہ یعنی کہ وہ تمام کمالات جو باقی تمام انبیاء کرام میں تھے وہ تنہا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات گرامی میں اللہ نے جمع کر دیے۔

## حضرت یوسف علیہ السلام کو نبوت کب ملی؟

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ [2]

(ترجمہ) اور جب وہ (یوسف علیہ السلام) اپنی جوانی کو پہنچے تو ہم نے ان کو دانائی اور علم بخشا اور

---

[1] حافظ ابوبکر، مصنف ابن ابی شیبہ: جلد نہم: حدیث نمبر 1668

[2] سورۃ یوسف 22:12

نیکو کاروں کو ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔

آیت کی تفسیر میں مفسرین کرام نے کئی اقوال نقل کیے ہیں۔ بعض نے ''اشدہ'' سے تینتیس سال، بعض نے تیس اور چالیس سال کے درمیانی عرصہ، بعض نے جوانی کی قوت کا کمال کو پہنچنا، بعض نے بالغ ہونا، بعض نے اٹھارہ برس کی عمر، بعض نے بیس سال مراد لی ہے۔ اسی طرح ''حُكْمًا وَّعِلْمًا'' سے مراد بعض نے فہم وعلم، بعض نے خواب کی تعبیر کا علم، بعض نے سمجھ اور دانش اور حکم سے مراد نبوت، بعض نے احکام شرعی یا خوابوں کا علم، بعض نے وہ علم جو انبیاء کو وحی کے ذریعہ سے عطا ہوتا ہے، بعض نے کہا ہے کہ حکم وعلم سے مراد نبوت ہے۔[1]

بعض نے حُكْمًا وَّعِلْمًا کی تفسیر اس طرح کی کہ حکم سے مراد حکمت نبوت اور علم سے مراد تفقہ فی الدین ہے۔ سید المفسرین ابن عباس (رضی اللہ عنہما) فرماتے ہیں: ان الحکم النبوۃ والعلم الشریعۃ۔ کہ حکم سے مراد نبوت اور علم سے مراد شریعت ہے۔[2]

(یہ بھی کہا گیا ہے کہ) علم سے مراد عموماً علم وحی ہی ہوتا ہے اور ایسا علم اللہ تعالیٰ بعثت سے پہلے بھی انبیاء علیہم السلام کے دل میں ڈال دیتا ہے۔ اسی وجہ سے ان کی نبوت سے پہلے کی زندگی بھی پاکیزہ اور بے داغ ہوتی ہے۔[3]

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حکمت اور علم عطا کرنے سے مراد اس جگہ عطاء نبوت ہے اس

---

[1] جلال الدین سیوطی، تفسیر در منثور۔ ابو عبداللہ قرطبی، تفسیر قرطبی، ابو احمد علی الرازی، احکام القرآن للجصاص، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری۔ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، تفسیر الحسنات۔ عبدالرحمٰن کیلانی، تیسیر القرآن، مفتی محمد شفیع، معارف القرآن۔ عبد الکریم اثری، تفسیر عروۃ الوثقٰی۔ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن۔ پیر کرم شاہ الازہری، تفسیر ضیاء القرآن

[2] ابوالحسنات محمد احمد قادری، تفسیر الحسنات

[3] عبدالرحمٰن کیلانی، تیسیر القرآن

سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ یوسف علیہ السلام کو نبوت مصر پہنچنے کے بھی کافی عرصہ بعد ملی ہے اور کنویں کی گہرائی میں جو وحی ان کو بھیجی گئی وہ وحی نبوت نہ تھی بلکہ لغوی وحی تھی جو غیر انبیاء کو بھی بھیجی جا سکتی ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اور حضرت مریم (علیہا السلام) کے بارے میں وارد ہوا ہے۔ [1]

گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ اس سلسلے میں ہمارے پاس قرآن کریم کی درج بالا آیت کے علاوہ کوئی ایسی واضح دلیل موجود نہیں ہے۔ جس میں حضرت یوسف علیہ السلام کی نبوت کا تذکرہ ہو جس سے ہم آپ علیہ السلام کی بعثت کا تعین کر سکیں۔ عمومی طور پر نبوت چالیس سال کی عمر میں ملتی ہے۔ لیکن یاد رہے نبی پیدائشی نبی ہوتا ہے۔ تاہم اعلان نبوت اس وقت ہوتا ہے جب اللہ کی مرضی ہوتی ہے۔ یعنی اللہ کے ہاں اپنے زمانے کے سب سے کامل بندے کو نبی بنانے کا وقت پہلے سے طے شدہ ہوتا ہے۔ اس لیے انبیاء کرام اعلان نبوت سے پہلے کی زندگی میں بھی پاکیزہ اخلاق و کردار کے مالک اور معصوم عن الخطا ہوتے ہیں۔

مذکورہ آیت، ترتیب کے لحاظ سے اس آیت سے پہلے آئی ہے جس میں امراۃِ عزیز کی طرف سے آپ علیہ السلام کو مائل کرنے کا ذکر ہے۔ پھر اس واقعہ کے بعد آپ کو ناجائز طور پر الزام لگا کر جیل بھیج دیا گیا۔ جیل کے اندر آپ نے جیل کے ساتھیوں کو توحید کی دعوت دی۔ انبیاء کرام علیہم السلام نبوت ملنے کے بعد ہی دعوت و تبلیغ کا آغاز کرتے تھے۔ چنانچہ ترتیب آیت اور ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ امراۃِ عزیز کے آپ علیہ السلام کو دعوت گناہ دینے سے قبل آپ علیہ السلام کی نبوت کا آغاز ہو چکا تھا۔ واللہ اعلم

## یعقوب علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام کی وفات

تفسیر قرطبی میں اہل تاریخ کے حوالہ سے مذکور ہے کہ مصر میں 24 سال رہنے کے بعد

---

[1] مفتی محمد شفیع، معارف القرآن

یعقوب علیہ السلام کی وفات 147 سال کی عمر میں ہوئی، حضرت سعید بن جبیر (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو لکڑی کے تابوت میں رکھ کر بیت المقدس کی طرف ان کی وصیت کے مطابق منتقل کیا گیا۔[1]

حضرت یوسف علیہ السلام کا انتقال (ایک سو دس سال[2] یا ایک روایت کے مطابق) ایک سو بیس سال کی عمر میں ہوا اور دریائے نیل کے کنارے دفن کیے گئے، ابن اسحٰق نے عروہ بن زبیر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے نکل جائیں تو بذریعہ وحی یہ بھی کہا گیا کہ ان کے تابوت کو اپنے ساتھ لے کر ملک شام چلے جائیں اور ان کے آباؤ اجداد کے پاس دفن کریں اس حکم کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تفتیش کر کے ان کی قبر دریافت کی جو ایک سنگ مرمر کے تابوت میں تھی اس کو اپنے ساتھ ارض فلسطین (کنعان) میں لے گئے اور حضرت اسحٰق علیہ السلام و یعقوب علیہ السلام کے برابر دفن کر دیا۔ سکم میں اُس خطۂ زمین میں دفن کیا گیا جو آپ کے باپ یعقوب علیہ السلام نے خریدا تھا[3]

ابن ابی حاتم کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی اعرابی کے ہاں مہمان ہوئے اس نے آپ کی بڑی خاطر تواضع کی واپسی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کبھی ہم سے مدینے میں بھی مل لینا کچھ دنوں بعد اعرابی آپ کے پاس آیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کچھ چاہیے؟ اس نے کہا ہاں ایک تو اونٹنی دیجئے مع ہودج کے اور ایک بکری دیجئے جو دودھ دیتی ہو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا افسوس تو نے بنی اسرائیل کی بڑھیا جیسا سوال نہ کیا۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین

---

[1] حافظ ابوبکر ابن ابی شیبہ، مصنف ابن ابی شیبہ: جلد نہم: حدیث نمبر 1636

[2] پیدائش 22:50

[3] https://ur.wikipedia.org/wiki/ بحوالہ تفسیر مظہری، تفسیر سورۃ یوسف

نے پوچھا۔ وہ واقعہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جب حضرت کلیم اللہ بنی اسرائیل کو لے کر چلے تو راستہ بھول گئے ہزار کوشش کی لیکن راہ نہیں ملی۔ آپ علیہ السلام نے لوگوں کو جمع کر کے پوچھا یہ کیا اندھیر ہے؟ تو علمائے بنی اسرائیل نے کہا بات یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے آخری وقت ہم سے عہد لیا تھا کہ جب ہم مصر سے چلیں تو آپ علیہ السلام کے تابوت کو بھی یہاں سے اپنے ساتھ لیتے جائیں۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ نے دریافت فرمایا کہ تم میں سے کون جانتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کی تربت کہاں ہے؟ سب نے انکار کر دیا ہم نہیں جانتے ہم میں سوائے ایک بڑھیا کے اور کوئی بھی آپ علیہ السلام کی قبر سے واقف نہیں۔ آپ علیہ السلام نے اس کو پیغام بھیج کر بلایا اور پوچھا کیا تو جانتی ہے کہ یوسف علیہ السلام کی قبر کہاں ہے؟ بڑھیا نے کہا ہاں دکھاؤں گی لیکن پہلے اپنا حق لے لوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا تو کیا چاہتی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جنت میں آپ علیہ السلام کا ساتھ مجھے میسر ہو۔ آپ علیہ السلام پر اس کا یہ سوال بھاری پڑا اسی وقت وحی آئی کہ اس کی بات مان لو اور اس کی شرط منظور کر لو اب وہ آپ علیہ السلام کو ایک جھیل کے پاس لے گئی جس کے پانی کا رنگ بھی متغیر ہو گیا تھا کہا کہ اس کا پانی نکال ڈالو جب پانی نکال ڈالا اور زمین نظر آنے لگی تو کہا اب یہاں کھودو۔ کھودنا شروع ہوا تو قبر ظاہر ہو گئی اسے ساتھ رکھ لیا اب جو چلنے لگے تو راستہ صاف نظر آنے لگا اور سیدھی راہ لگ گئے۔ (امام ابن کثیر فرماتے ہیں) لیکن یہ حدیث بہت ہی غریب ہے بلکہ زیادہ قریب تو یہ ہے کہ یہ موقوف ہے یعنی یہ صحابی کا قول ہے۔ (رسول اللہ ﷺ کا فرمان نہیں)۔ واللہ اعلم [1]

---

[1] حافظ ابوالفداء اسماعیل دمشقی، تفسیر ابن کثیر، تحت آیت سورۃ الشعراء 52:26

# کیا برادران یوسف نبی تھے؟

ابوالحسنات سید محمد احمد قادری لکھتے ہیں:

حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام سے بہت زیادہ محبت تھی اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس محبت کی وجہ سے برادران یوسف آپ علیہ السلام سے کچھ دل میں رنج بھی رکھتے تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام ان کے حسد سے مطلع بھی تھے۔

یہ بھی محقق ہو چکا ہے کہ۔۔بنیامین اور یوسف علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کی چوتھی بیوی راحیل سے ہوئے۔تو اگرچہ مائیں مختلف تھیں لیکن باپ سب کے حضرت یعقوب علیہ السلام تھے تو یہ صلبی اولاد ہی کہلاتی ہے جو ایک باپ سے ہو اور بقول سیدنا علی کرم اللہ وجہہ۔۔۔مائیں محض برتن ہیں نسب کے لیے باپ ہوتے ہیں۔۔غور طلب امر ہے کہ علاوہ حضرت یوسف علیہ السلام گیارہ دوسرے بیٹوں کو بھی نبوت ملی یا نہیں؟ تو ظاہر حال تو یہی بتاتا ہے کہ ان گیارہ کے نبی ہونے پر ہماری نظر میں کوئی دلیل قرآن وحدیث واقوال صحابہ (رضوان اللہ علیہم) سے نہیں ملتی۔وہ ابن تیمیہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں: الذی یدل علیہ القراٰن واللغة والاعتبار ان اخوة یوسف (علیہ السلام) لیسوا بانبیاء ولیس فی القراٰن ولا عن النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بل ولا احد من اصحابہ رضوان اللہ

علیھم خبر بان اللہ تعالیٰ نبا ھم۔۔

(یعنی) جو کچھ قرآن کریم اور لغت اور اعتبارات سے مستدل ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی نبی نہیں تھے اور ان کی نبوت کی خبر نہ قرآن کریم میں ہے نہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت بلکہ صحابہ کرام علیہم رضوان میں سے بھی کسی نے یہ خبر نہ دی کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں نبی کیا۔ [1]

یہ یاد رہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی نبوت پر دراصل کوئی دلیل نہیں اور آیت کا طرز بیان تو بالکل اس کے خلاف ہے۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بعد انہیں نبوت ملی لیکن یہ چیز بھی محتاج دلیل ہے۔

مفسرین نے یہاں عجیب بات لکھی ہے کہ ان کے جرم کا ایک سبب باپ کی محبت بھی تھی تو اللہ نے انھیں قتل سے بچنے کی توفیق بھی دی اور انجام کار توبہ کر کے معافی حاصل کرنے کی سعادت بھی بخشی کہ والد گرامی نے بھی اور بھائی نے بھی معاف فرما دیا۔ یہ قتل سے منع کرنے کا کام ان سب میں سے بڑے بھائی نے جس کا نام یہودا تھا، کیا۔ (اسرار التنزیل)

قاضی سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں:

یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں میں سے صرف یوسف علیہ السلام ہی نبی اللہ تھے۔ باقی ہرگز نبی اللہ نہ تھے۔ کوئی بھی صحیح اسلامی روایت یا اسرائیلی حکایت اس بارہ میں مروی نہیں۔ علامہ ابن حزم، ابن کثیر، خازن وغیرہ مفسرین نے نہایت جزم کے ساتھ اس رائے کو بیان کیا ہے۔ لہٰذا ہم کو اِن لوگوں کے افعال کی جو منہاجِ نبوت سے دور تھے تاویل کرنے کی ضرورت نہیں۔ [2]

---

[1] ابو الحسنات سید محمد احمد قادری، تفسیر الحسنات، تفسیر آیت 3

[2] قاضی محمد سلیمان منصور پوری، الجمال والکمال، ص 34

# حاصل گفتگو

واقعاتِ سورۃ یوسف، جو قارئین کرام آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے، مثلاً بھائیوں کی طرف سے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ ظلم اور بے وفائی، ان کو قتل کرنے اور کنوئیں میں پھینکنے کی تدبیر، پھر اس پر عمل درآمد، بوڑھے باپ کی نافرمانی، یوسف علیہ السلام پر چوری کا جھوٹا الزام وغیرہ سے واضح ہوتا ہے کہ یہ سب ایسے اعمال ہیں، جو انبیاء کرام علیہم السلام سے سرزد نہیں ہوسکتے ۔ کیونکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام ہر قسم کے چھوٹے بڑے گناہوں سے پاک اور معصوم ہوتے ہیں ۔ بعض نے جو یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو انبیاء کہا ہے اس کی کوئی بنیاد نہیں ۔ واللہ اعلم

# قصے کی ابتدا یوسف علیہ السلام کے خواب سے ہوتی ہے

(ترجمہ آیت) جب یوسف (علیہ السلام) نے اپنے باپ سے کہا کہ ابا جان! میں نے خواب میں گیارہ ستارے اور سورج اور چاند دیکھے، میں نے ان کو دیکھا کہ وہ مجھ کو سجدہ کر رہے ہیں۔[1]

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بچپن کے زمانے میں ایک خواب دیکھا جس کو انھوں نے اپنے والد گرامی حضرت یعقوب علیہ السلام سے بیان کیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ آسمان سے گیارہ ستارے اترے اور ان کے ساتھ سورج اور چاند بھی ہیں ان سب نے آپ کو سجدہ کیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے چہیتے بیٹے کا یہ خواب سنا تو سختی کے ساتھ ان کو منع کر دیا کہ اپنا یہ خواب کسی کے سامنے نہ دہرانا۔ ایسا نہ ہو کہ اس کو سن کر تمہارے بھائی برائی کے ساتھ پیش آئیں کیونکہ شیطان انسان کے پیچھے لگا ہے، وسوسہ اندازی کر کے بھائیوں کو تمہارے خلاف اکسا دے گا، کیونکہ خواب کی تعبیر بہت ظاہر تھی اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو جو (نبی تو نہ تھے) بہر حال خاندان نبوت میں سے تھے ایسے واضح خواب کا سمجھ لینا کچھ مشکل نہ تھا۔[2]

---

[1] سورۃ یوسف 4:12

[2] محمد اسحاق، تفسیر درس قرآن

اس کی تعبیر یہ تھی کہ گیارہ ستارے آپ علیہ السلام کے گیارہ بھائی اور سورج آپ علیہ السلام کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام اور چاند آپ علیہ السلام کی والدہ حضرت راحیل یا خالہ ہیں۔

سدی کہتے ہیں کہ اس خواب سے قبل چونکہ آپ کی والدہ انتقال کر گئی تھیں اس لیے قمر سے مراد آپ کی خالہ ہی ہیں۔ اور سجدہ سے مراد تعظیم و تواضع تھی یا مطیع ہونا۔ اس خواب کے مشاہدے کے وقت بروایت حضرت وہب (رحمۃ اللہ علیہ) آپ کی عمر مبارک بارہ سال کی تھی اور ایک روایت کے مطابق سات سال کی عمر تھی۔[1]

## خواب کی حقیقت احادیث کی روشنی میں

حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنا خواب بھائیوں کے سامنے بیان کرنے سے منع فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ خواب ایسے شخص کے سامنے بیان کرنا چاہیے جو حاسد نہ ہو بلکہ اس کا خیر خواہ اور ہمدرد ہو۔ واضح ہوا انبیاء کرام علیہم السلام کے خواب بھی وحی الٰہی ہوتے ہیں۔

بعض لوگ بُرا خواب آنے سے خوف زدہ ہو جاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ بُرا خواب ان کو نقصان پہنچائے گا۔ یاد رکھیئے نیک خواب اللہ رب العزت کی طرف سے ہوتے ہیں۔ دوسری قسم کے خواب انسان کے خیالات ہیں اور تیسری قسم کے خواب شیطانی ہیں جیسا کہ درج ذیل احادیث مبارکہ سے ظاہر ہے۔

1۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خواب صرف کسی عالم یا ناصح کے سامنے ہی بیان کرو۔[2]

2۔ حضرت عبد اللہ بن شداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے نماز پڑھتے ہوئے

---

[1] ابو الحسنات سید محمد احمد قادری، تفسیر الحسنات

[2] ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 165

کچھ لوگوں کو خواب بیان کرتے ہوئے سنا، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ان سے اس خواب کے بارے میں پوچھا، انھوں نے چھپا لیا، آپ نے فرمایا: خبر دار یوسف علیہ السلام کے خواب کی تعبیر چالیس سال بعد ظاہر ہوئی۔[1]

3۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ رویا (اچھا خواب) اللہ کی طرف سے ہے اور حلم (برا خواب) شیطان کی طرف سے ہے، جب تم میں سے کوئی شخص ایسی چیز دیکھے جسے برا سمجھتا ہے تو تین بار (اپنی بائیں طرف) تھوک دے، جبکہ نیند سے بیدار ہو اور اس کی برائی سے پناہ مانگے[2] تو اس کو نقصان نہیں پہنچائے گا اور ابوسلمہ نے کہا کہ اگر میں خواب دیکھتا ہوں جو پہاڑ سے بھی زیادہ مجھ پر گراں ہو تو اس حدیث کے سننے کی بناء پر میں اس کی پرواہ نہیں کرتا۔[3]

4۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی ایسا خواب دیکھے جو اس کو برا لگتا ہو تو اپنے بائیں طرف تین مرتبہ تھوک دے اور اللہ تعالیٰ سے تین مرتبہ پناہ مانگے، اور جس کروٹ پر لیٹا ہو اس کو بدل لے۔[4] (لیکن) قبلے کی طرف نہ تھوکے بلکہ اپنے بائیں طرف یا پاؤں کے نیچے تھوک دے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے کپڑے یا چادر کا ایک کنارہ پکڑ کر اس میں تھوکا اور اس کو مسل دیا اور فرمایا: یا اس طرح کر لے۔[5]

---

[1] حافظ ابوبکر ابن ابی شیبہ، مصنف ابن ابی شیبہ: جلد نہم: حدیث نمبر 221

[2] (اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم) (اعوذ باللہ من شر الشیطٰن ومن شر ما رایت)
(میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں شیطان کے شر سے، اور جو خواب دیکھا اس کے شر سے بھی)

[3] ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری جلد سوم، حدیث نمبر 717، صحیح مسلم جلد سوم، حدیث 1403، موطا امام مالک جلد 1 حدیث 1646

[4] حافظ ابوبکر ابن ابی شیبہ، مصنف ابن ابی شیبہ: جلد نہم: حدیث نمبر 190

[5] ابوبکر احمد بن الحسین بن علی البیہقی، سنن کبری للبیہقی: جلد سوم: حدیث نمبر 200

5۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔۔خواب کی تین قسمیں ہیں،نیک خواب یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری ہے دوسری قسم انسان کے خیالات ہیں تیسری قسم شیطانی خواب ہے جب تم میں سے کوئی ایک ناپسندیدہ خواب دیکھے تو کسی سے بیان نہ کرے بلکہ اٹھ کھڑا ہو اور نماز پڑھے ۔۔[1]

6۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔۔۔خواب تین قسم کے ہوتے ہیں پس ایک تو اچھے خواب جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت ہوتے ہیں دوسرے وہ جو شیطان کی طرف سے غم میں مبتلا کرنے کے لیے ہوتے ہیں اور تیسرے وہ خواب جو انسان اپنے آپ سے باتیں کرتا ہے وہی نیند میں متصور ہو جاتے ہیں پس اگر تم میں سے کوئی خواب میں ایسی چیز دیکھے جسے وہ پسند نہ کرتا ہو تو کھڑا ہو کر تھوک دے اور لوگوں کے سامنے بیان نہ کرے۔۔۔۔[2]

گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ ایک تو جس شخص کے متعلق یہ احتمال ہو کہ اگر میں اسکے سامنے اپنی خوشحالی یا نعمتوں کا ذکر کروں گا تو وہ حسد کرنے لگے گا، یا نقصان پہنچائے گا، تو اس کے سامنے اپنی نعمتوں کا ذکر نہیں کرنا چاہیے۔عطاء اور طاوس (رحمۃ اللہ) سے منقول ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس قدر اللہ کی نعمت کسی بندے پر بڑھتی ہے اس قدر لوگوں کا بوجھ اس پر زیادہ ہوتا ہے۔پس جو شخص اس بوجھ کو اٹھانے سے انکار کرتا ہے وہ اپنی نعمت کو زوال کی نظر کرتا ہے۔ہر صاحبِ نعمت سے حسد کیا جاتا ہے لہٰذا اپنی حاجتوں کو چھپا کر ان کی تکمیل چاہو۔[3]
دوسری بات یہ ہے کہ ڈراؤنے یا بُرے خواب سے خوف زدہ ہونے کی بجائے مذکورہ احادیث میں جو نصیحتیں فرمائی گئی ہیں ان پر عمل کر کے مطمئن ہو جانا چاہیے۔

---

[1] ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 176

[2] ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 155

[3] علامہ علاء الدین علی متقی بن حسام الدین، کنز العمال، جلد 3، حدیث 5235

# یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا حسد اور فریب

قدیم زمانے میں قبائلی سسٹم رائج تھا۔ یہ سسٹم کسی نہ کسی شکل میں اب بھی موجود ہے۔اس سسٹم میں برادری اور خاندان کا بڑا لحاظ ہوتا تھا، ورنہ جنگ وجدل کا وسیع سلسلہ شروع ہو جاتا جو صدیوں جاری رہتا۔اس سسٹم میں بھائی ایک زبردست قوت تھے جیسا کہ قرآن کریم نے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

انھوں نے کہا کہ شعیب! تمہاری بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم دیکھتے ہیں تم ہم میں کمزور بھی ہو، اور اگر تمہارے بھائی نہ ہوتے تو ہم تمہیں سنگسار کر دیتے اور تم ہم پر کسی طرح بھی غالب نہیں ہو۔ [1]

اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

ہم تمہارے بھائی کو تمہارے لیے قوت بازو بنائیں گے۔ [2]

چنانچہ شعیب علیہ السلام کی قوم آپ کے خلاف کسی بھی قسم کے انتہائی اقدام سے باز رہی۔ دوسری طرف حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی تھے، جنہوں نے فریب کاری کی اور ایک معصوم

---

[1] سورۃ ھود 91:11

[2] سورۃ القصص 35:28

بھائی کو محض حسد کی بناء پر اندھے کنویں میں ڈالنے کا انتہائی اور مذموم قدم اُٹھالیا:

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے (آپس میں) کہا: یوسف اور اس کا بھائی ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ محبوب ہیں حالانکہ ہم ایک طاقتور جماعت ہیں۔ ہمارا باپ تو صریح بھول میں ہے۔[1]

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا خیال ہوگا (جیسا کہ گھر میں بڑوں کی ذمہ داریاں ہوتی ہیں) کہ ہم عمر میں بھی بڑے ہیں، باپ کی خدمت بھی کرتے ہیں اور گھر کے ضروری کام کاج بھی ہم ہی کرتے ہیں لیکن کیا وجہ ہے کہ ہمارے والد ہمارے چھوٹے بھائی یوسف علیہ السلام پر ہم سے زیادہ توجہ دیتے ہیں؟

"بعض کہتے ہیں ممکن ہے کسی طرح بھائیوں کو یوسف علیہ السلام کے خواب کا علم ہوگیا ہو جس سے انھوں نے محسوس کیا ہو کہ یوسف (علیہ السلام) کی بڑی شان ہونے والی ہے، ظاہر ہے وہ بھی پیغمبر زادے تھے، خاندان نبوت سے تعلق تھا، اتنی سی سمجھ بوجھ تو رکھتے تھے کہ خواب کے مطلب تک پہنچ جائیں۔"

لیکن یہ تو ممکن نہیں تھا کہ یوسف علیہ السلام والد گرامی کے منع کرنے کے باوجود بھی بھائیوں کو اپنے خواب سے مطلع فرماتے۔ اس لیے قرآن میں کہیں بھی اس بات کا ذکر نہیں کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو خواب کا علم ہوگیا تھا۔

انبیاء کرام (علیہم السلام) کی عزت وتکریم کے معاملے میں محرف شدہ تورات وانجیل نے بڑی جسارتیں کی ہیں۔ عہد نامہ قدیم نے اگر یہ بات کہی ہے (کہ بھائیوں کو خواب یوسف علیہ السلام نے بتایا تھا) تو محض الزام ہے۔ بہر کیف بعض مفسرین کے مطابق جب

---

[1] سورۃ یوسف 8:12

یوسف علیہ السلام کو خواب کے چھپانے کی تاکید کی اس وقت اتفاق سے یوسف علیہ السلام کی بھاوجوں نے یہ سن لیا اور مغرب کے وقت جب ان کے شوہر گھر آئے تو ان کی جوروؤں نے یہ حال ان سے بیان کیا تو ان کو حسد پیدا ہوا اور حضرت یوسف علیہ السلام کا کام تمام کرنے کی تدبیر میں مشغول ہوئے۔ آپس میں کہا کہ البتہ یوسف علیہ السلام اور اس کا بھائی بنیامین ابّا کو ہم سے زیادہ محبوب ہیں، حالانکہ ہم سب طاقتور اور کارگزار ہیں اور یہ دونوں کم سن اور بیکار ہیں۔ چاہیے تھا کہ ہم کو زیادہ چاہتے۔ پس ہم جانتے ہیں کہ وہ راہ صواب سے بہت دور ہیں۔[1]

یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو حسد کی آگ کی وجہ سے یہ سوچنے کی توفیق ہی نہیں ہوئی کہ والد گرامی کی محبت کا جھکاؤ یوسف علیہ السلام کی طرف کیوں زیادہ ہے؟ اس کی کئی وجوہات تھیں۔ یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال ملائکہ کے حسن و جمال کا ایک نمونہ تھا اس لیے وہ باپ کی نظر میں زیادہ محبوب تھے۔ علاوہ ازیں رشد و نجابت کے جو آثار یوسف علیہ السلام اور بنیامین میں نمایاں تھے وہ دوسرے بھائیوں میں نمایاں نہ تھے اور خاص کر یوسف علیہ السلام میں نبوت اور صدیقیت کے آثار نمایاں تھے اس اعتبار سے وہ جنس انبیاء وصدیقین سے ہے۔ یعقوب علیہ السلام ان کی طرف زیادہ مائل تھے کیونکہ یہ جانتے تھے کہ یہ خدا کا برگزیدہ اور پیغمبر ہونے والا ہے پس نبوت و رسالت کے ساتھ علاقہ نبوت یعنی فرزندیت بھی مل جائے تو دلی محبت اور تعلق میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ یوسف علیہ السلام اور بنیامین اگرچہ باطنی فضائل وشمائل کی وجہ سے یعقوب علیہ السلام کی نظر میں زیادہ محبوب تھے مگر عملی طور پر حقوق فرزندیت کے اعتبار سے معاملہ سب کے ساتھ یکساں تھا اور پورے پورے عدل اور انصاف کے ساتھ تھا قرآن سے کہیں یہ ثابت نہیں کہ یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام اور بنیامین کو دوسرے بھائیوں پر حقوق واجبہ میں یا کسی ایسے امر میں ترجیح

---

[1] شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی، تفسیر مظہر القرآن

دی ہو جو ان کے اختیار میں ہو اور محبت جس کی حقیقت میلان طبعی ہے وہ امر اختیاری نہیں اس میں عدل اور مساوات ناممکن ہے اگر کوئی باپ اپنے کسی عالم اور متقی بیٹے کو بہ نسبت غیر عالم بیٹے کے زیادہ محبوب رکھے تو اس سے یہ کہنا کہ آپ اس سے زیادتی محبت میں غلطی اور خطا پر ہیں۔ یہی صریح غلطی اور ضلال مبین ہے خوب سمجھ لو اور اولاد میں اور بیبیوں میں طبعی میلان اور محبت کے اعتبار سے مساوات عادتاً ناممکن نظر آتی ہے، الغرض جب بھائیوں نے یہ دیکھا کہ باپ کی نظر عنایت یوسف علیہ السلام کی طرف زیادہ ہے تو بولے۔ کہ واقعی ہمارا باپ اس بارے میں صریح گمراہی میں مبتلا ہے اس لفظ سے ان کی دین خداوندی میں گمراہی مراد نہ تھی۔ بلکہ دین محبت اور آئین شفقت میں گمراہی مراد تھی کہ جب ہم اخوت میں برابر ہیں تو محبت میں بھی برابر ہونے چاہئیں اور ضلال کے معنی لغت میں غلطی اور خطاء کے ہیں اور مطلب یہ تھا کہ ہمارے باپ نظر محبت و شفقت کے خرچ کرنے سے غلطی پر ہیں۔[1]

''یوسف علیہ السلام اپنے سوتیلے علاتی بھائیوں میں سے سب سے چھوٹے تھے اور والدین کی چھوٹے بچوں سے محبت ایک قدرتی امر ہوتا ہے۔ آپ کی سعادت مندی اور سب سے بڑھ کر نبوت کے آثار جو باپ نے بھانپ لیے تھے۔ پھر یوسف علیہ السلام کے خواب نے ان کے حسد کی آگ کو اور بھڑکا دیا''۔

''یہ بات اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں رکھی ہے کہ چھوٹے بچوں پر ماں باپ کی شفقت زیادہ ہوتی ہے اور اگر یہ شفقت نہ ہو تو ان کی تربیت بھی نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے جو کچھ وہ جانتا ہے دوسرا کوئی نہیں جانتا اس لیے اس نے چھوٹوں کے لیے پیار زیادہ رکھا ہے تاکہ تربیت میں کمی نہ آئے۔ پھر ان دونوں کی حقیقی والدہ بھی فوت ہو چکی تھیں۔

---

[1] محمد ادریس کاندھلوی، معارف القرآن

حضرت یعقوب علیہ السلام نے راحیل کی بہن یعنی اپنی سالی کے ساتھ نکاح کیا تھا جو ان کی خالہ لگتی تھی اس لیے بھی ان دونوں کا زیادہ خیال رکھتے تھے۔ کھانے پینے میں اندر باہر آنے جانے میں ان کی نگرانی کرتے تھے''۔ [1]

لیکن برادرانِ یوسف نے اپنے والد گرامی حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں غلط تاثر قائم کیا کہ یوسف (علیہ السلام) اور اس کا بھائی ہمارے باپ کو زیادہ پیارے ہیں اور حسد میں مبتلا ہو گئے۔ حالانکہ یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کے درمیان ایسا کوئی بھی امتیازی سلوک نہیں کیا تھا۔

چنانچہ والد کی توجہ اور شفقت حاصل کرنے کے لیے انھوں نے تنہائی میں گھناؤنا منصوبہ بنایا کہ یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈال دیں۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

لہٰذا یا تو یوسف (علیہ السلام) کو مار ڈالو یا اسے کہیں دور پھینک دو (اس طرح) تمہارا باپ تمہاری ہی طرف متوجہ رہے گا پھر اس کے بعد تم نیک لوگ بن جانا۔ ان میں سے ایک نے کہا یوسف (علیہ السلام) کو قتل نہ کرو بلکہ اسے کسی اندھے کنوئیں میں ڈال آؤ کہ اسے کوئی قافلہ اٹھا لے جائے اگر تمہیں کرنا ہی ہے تو یوں کرو۔ [2]

علامہ جلال الدین سیوطی (1505ء) لکھتے ہیں:

ان ہی بھائیوں میں سے ایک بھائی نے جو کہ ان میں سب سے زیادہ صائب الرائے

---

[1] سرفراز خاں صفدر، تفسیر ذخیرہ الجنان

[2] سورۃ یوسف 12:9-10

تھے جس کا نام بعض مفسرین نے یہودا اور بعض نے روبیل اور بعض نے شمعون بتایا ہے کہا یوسف علیہ السلام کو قتل نہ کروا گر کچھ کرنا ہے تو اسے کنویں میں ایسی جگہ ڈال دو جہاں یہ زندہ رہے اور جب مسافر اس کنویں پر آئیں تو اس کو نکال کر لے جائیں، اس طرح تمہارا مقصد بھی پورا ہو جائے گا اور اس کو لے کر تمہیں کہیں دور مقام پر جانا بھی نہ پڑے گا۔[1]

چنانچہ اپنے اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے وہ اپنے والد گرامی کے پاس حاضر ہوتے ہیں۔

قرآن کریم نے اُن کے الفاظ نقل کیے ہیں:

انھوں نے کہا ابّا! آخر آپ یوسف علیہ السلام کے بارے میں ہم پر اعتبار کیوں نہیں کرتے ہم تو اس کے خیر خواہ ہیں کل آپ اسے ضرور ہمارے ساتھ بھیج دیجئے کہ خوب کھائے پیئے اور کھیلے۔[2] اس کی حفاظت کے ہم ذمہ دار ہیں۔یعقوب علیہ السلام نے کہا اسے تمہارا لے جانا مجھے تو سخت صدمہ دے گا اور مجھے یہ بھی کھٹکا لگا رہے گا کہ تمہاری غفلت میں اس کو بھیڑیا کھا جائے۔وہ کہنے لگے، ہم ایک طاقتور جماعت ہیں اگر ہمارے ہوتے ہوئے اسے بھیڑیا کھا جائے تو ہم تو بڑے نقصان میں پڑ گئے۔[3]

یعقوب علیہ السلام کو بھیڑیئے کا خطرہ محسوس ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

یعقوب علیہ السلام نے بھیڑیئے کا خطرہ یا تو اس وجہ سے محسوس کیا کہ سرزمین کنعان میں

---

[1] جلال الدین سیوطی، تفسیر جلالین

[2] آیت سے ثابت ہوا کہ صحت مند سیر و تفریح اور وہ تمام کھیل جائز ہیں جن میں شرعی مفاسد نہ ہوں اور نہ ہی اس کھیل میں Life Threat ہو، جیسے سپین (سابقہ اندلس) کا بُل فائٹ وغیرہ۔

[3] سورۃ یوسف 12:11-14

بھیڑیئے زیادہ تھے، اور یا اس وجہ سے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ایک خواب دیکھا تھا کہ وہ خود ایک پہاڑ کے اوپر ہیں اور یوسف علیہ السلام پہاڑ کے دامن میں ہیں اچانک دس بھیڑیوں نے یوسف علیہ السلام پر حملہ کرنا چاہا مگر ان میں سے ایک بھیڑیئے نے مدافعت کر کے چھڑا دیا، پھر یوسف علیہ السلام زمین کے اندر چھپ گئے، جس کی تعبیر بعد میں اس طرح ظاہر ہوئی کہ دس بھیڑیئے یہ دس بھائی تھے اور جس بھیڑیئے نے مدافعت کر کے ان کو ہلاکت سے بچایا وہ بڑے بھائی یہودا تھے، اور زمین میں چھپ جانا کنوئیں کے گہرائی کی تعبیر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنھما) سے ایک روایت میں منقول ہے کہ یعقوب علیہ السلام کو اس خواب کی بنا پر خود ان بھائیوں سے خطرہ تھا ان ہی کو بھیڑیا کہا تھا مگر مصلحتاً پوری بات ظاہر نہیں کی۔[1]

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اخیر زمانہ میں ایسے لوگ بھی پیدا ہوں گے۔ ان کی زبانیں توشکر سے زیادہ شیریں ہوں گی لیکن ان کے دل بھیڑیوں کے دل کی طرح ہوں گے۔[2]

حضرت وہب بن منبہ (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب میں یہ بات پڑھی ہے کہ لوگ "بغیر عبادت کے ہی دین دار بنے بیٹھے ہیں، آخرت کے عمل میں بھی دنیا شامل کر لیتے ہیں، لوگ بھیڑ کی کھالوں کا لباس پہنتے ہیں جبکہ ان کے دل بھیڑیوں کی طرح ہیں، ان کی زبانیں شہد سے میٹھی ہیں۔[3]

---

[1] جلال الدین سیوطی، تفسیر جلالین

[2] محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی، مشکوۃ شریف، جلد 4 حدیث 1252

[3] حافظ ابو بکر، مصنف ابن ابی شیبہ: جلد 9، حدیث، 5830، عبدالرحمن دارمی، سنن دارمی: جلد 2 حدیث نمبر 1170

کہا جاتا ہے کہ زخمی بھیڑیا اپنے گروپ سے چھپ کر رہتا ہے۔ ورنہ دوسرے بھیڑیئے اسے اپنی خوراک بنالیتے ہیں۔

خیر قرآن کریم نے بھیڑیئے کا نام لیا ہے تو اس میں دیگر درندوں کی نسبت کوئی نہ کوئی خاصیت ایسی ہوگی جو اسے دیگر درندوں سے ممتاز کرتی ہوگی یا وہ سرزمین عرب کا معروف درندہ ہوگا۔ بہرکیف اتنا تو واضح ہے کہ بھیڑیا سخت دل، بے رحم اور شقی القلب جانور ہے۔

چنانچہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی فریب کاری کامیاب رہی اور وہ باپ سے یوسف علیہ السلام کو ساتھ لے کر چلے گئے۔

یہ رشتے داری کے توڑنے، باپ کی نافرمانی کرنے، چھوٹے پر ظلم کرنے، بے گناہ کو نقصان پہنچانے، بڑے کو ستانے اور حقدار کا حق کاٹنے، حرمت وفضلیت کے خلاف کرنے، بزرگی کو ٹالنے اور اپنے باپ کو دکھ پہنچانے اور اسے اس کے کلیجے کی ٹھنڈک اور آنکھوں کے سکھ سے ہمیشہ کے لیے دور کرنے اور بوڑھے باپ، اللہ کے لاڈلے پیغمبر کو اس بڑھاپے میں ناقابل برداشت صدمہ پہنچانے اور اس بے سمجھ بچے کو اپنے مہربان باپ کی پیار بھری نگاہوں سے ہمیشہ اوجھل کرنے کے درپے ہیں۔ اللہ کے دو نبیوں کو دکھ دینا چاہتے ہیں۔ محبوب اور محب میں تفرقہ ڈالنا چاہتے ہیں، سکھ کی جانوں کو دکھ میں ڈالنا چاہتے ہیں۔ پھول سے نازک بے زبان بچے کو اس کے مشفق مہربان بوڑھے باپ کی نرم وگرم گود سے الگ کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ انہیں بخشے آہ شیطان نے کیسی الٹی پڑھائی ہے۔ اور انھوں نے بھی کیسی بدی پر کمر باندھی ہے۔[1]

اس ظلم کی بنیاد بھائیوں کا حسد تھا (یعنی کسی دوسرے کی خوش حالی پر جلنا اور تمنا کرنا کہ

---

[1] حافظ عماد الدین ابوالفداء ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر

اس کی نعمت اور خوش حالی دور ہو کر اسے مل جائے) اس سے معلوم ہوا کہ حسد اتنی بڑی خرابی ہے جو انسان کو اس سے غافل کر دیتی ہے کہ اس کے سامنے کون ہے۔ اس کی نگاہوں سے سگے سوتیلے کا فرق بھی مٹ جاتا ہے۔ اس لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اے لوگو! حسد سے بچو! حسد انسان کے نیک اعمال کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس برائی سے محفوظ فرمائے۔ آمین [1]

---

[1] محمد اسحاق، تفسیر درس قرآن

# گھر سے کنویں تک

(ترجمہ آیت) جب وہ یوسف (علیہ السلام) کو لے گئے اور اس بات پر اتفاق کر لیا کہ اسے کسی گمنام کنویں میں ڈال دیں، اس وقت ہم نے یوسف (علیہ السلام) کو وحی کی کہ (ایک وقت آئے گا) جب تم اپنے بھائیوں کو ان کی یہ حرکت جتلاؤ گے درآنحالیکہ وہ تمہارے متعلق کچھ نہ جانتے ہوں گے۔[1]

مگر جب نظروں سے اوجھل ہوئے تو زمین پر پٹک دیا اور لگے طعنے دینے کہ اب اس چاند سورج کو اور گیارہ ستاروں کو بلاؤ جو تمہیں سجدہ کر رہے تھے۔ نیز جس بھائی کی طرف بڑھتے وہ جھڑک دیتا یا تھپڑ مار دیتا اور کم سنی کے باعث زیادہ چلنا بھی دشوار تھا لہٰذا مار کھاتے چلے جا رہے تھے کہ ایک ویران کنویں پر پہنچے اور سب اسی رائے پہ متفق ہو گئے کہ آپ کو کنویں میں پھینکا جائے۔[2]

آ رہی ہے چاہ یوسف سے صدا

دوست یاں تھوڑے ہیں اور بھائی بہت

(الطاف حسین حالی)

---

[1] سورۃ یوسف 15:12

[2] امیر محمد اکرم اعوان، اسرار التنزیل

امام قرطبی نے یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈالنے کا واقعہ یہ بیان کیا ہے کہ جب ان کو کنوئیں میں ڈالنے لگے تو وہ کنوئیں کی من سے چمٹ گئے بھائیوں نے ان کے ہاتھ باندھ دیئے تاکہ کسی چیز کو پکڑ نہ سکیں، اس وقت یوسف علیہ السلام نے پھر ان سے فریاد کی مگر بجائے ان پر رحم کرنے کے جواب یہ ملا کہ گیارہ ستارے جو تجھے سجدہ کرتے ہیں ان کو بلا، وہی تیری مدد کریں گے، پھر ایک ڈول میں رکھ کر کنویں میں لٹکایا اور درمیان ہی میں رسی کاٹ دی اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کی حفاظت فرمائی اور قریب ہی ایک پتھر کی چٹان جو باہر کو نکلی ہوئی تھی صحیح سالم اس پر بیٹھ گئے، بعض روایات میں ہے کہ جبرائیل (علیہ السلام) نے ان کو چٹان پر بٹھا دیا۔ یوسف علیہ السلام تین روز کنوئیں میں رہے ان کا بھائی یہودا دوسرے بھائیوں سے چھپ کر روزانہ ان کیلئے کھانا لاتا اور ڈول کے ذریعہ ان تک پہنچا دیتا۔

اور (یوسف علیہ السلام کے لیے ) اللہ کی طرف سے آئندہ کے حالات منکشف ہو گئے کہ اگر کنویں کی اتھاہ گہرائی میں گرنا پڑا تو کوئی بات نہیں کہ واقعتاً تو یہ راستہ تخت سلطنت مصر کو جاتا ہے اور ایک روز وہاں جلوہ افروز ہوں گے جہاں آج کے بظاہر زبردست بھائی آپ کے در پہ کھڑے ہوں گے اور آپ انھیں یاد دلائیں گے کہ میں وہ یوسف علیہ السلام ہوں جسے تم نے کنویں میں پھینکا تھا۔

یہ اللہ کی حکمت ہے کہ سارا معاملہ یوسف علیہ السلام پر منکشف فرما دیا مگر اس واقعہ کو یعقوب علیہ السلام کی نگاہ سے پوشیدہ رکھا حتیٰ کہ وہ برسوں روتے رہے اور بعض روایات کے مطابق یوسف علیہ السلام کی جنگل روانگی سے یعقوب علیہ السلام کی ملاقات تک چالیس برس گزر چکے تھے۔ انبیاء علیہم السلام کے علوم بھی اللہ کی عطا کے محتاج ہوتے ہیں۔ چاہے تو دو عالم منکشف فرما دے اور نہ چاہے تو سامنے کی بات پہ بھی حجاب ڈال دے۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

کسے پرسید آں گم کردہ فرزند اے روشن گہر! پیر خردمند

زمصرش بوئے پیراہن شمیدی چرا در چاہ کنعانش ندیدی

بگفت احوال ما برق جہاں است دم پیدا دم دیگر نہاں است

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

کہ کسی نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ نے مصر سے قاصد کے روانہ ہونے پر پیراہن کی بو سونگھ لی مگر کنعان کے کنویں میں یوسف علیہ السلام کا پتہ نہ چلا سکے تو فرمایا ہمارا حال تو آسمانی بجلی کا سا ہے کہ کبھی عرش تک ہر ذرہ منکشف ہو جائے۔ یعنی جو اللہ دکھا دیں وہ دیکھتے ہیں اور جس سے روک دیں وہ نظر نہیں آتا۔۔ حتیٰ کہ جیل کے بعد یوسف علیہ السلام کے پاس حکومت اور اختیارات بھی تھے مگر اللہ نے والد کو اطلاع کرنے کی اجازت نہ دی تو انھوں نے مصر سے کرتہ روانہ کیا تو ہوا نے خوشبو کنعان پہنچا دی۔ یہ سب اس کی قدرت کاملہ کے کرشمے ہیں اور صرف اس کی ذات عالم الغیب والشہادہ ہے باقی ساری مخلوق اس کی بارگاہ میں محتاج ہے اور انبیاء اپنی ساری عظمت نبوت کے ساتھ دوسرے لوگوں سے کروڑوں درجہ زیادہ حق اطاعت ادا فرماتے ہیں۔[1]

جب خواب کا واقعہ پیش آیا اور یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالا گیا اس وقت ان کی عمر مبارک کیا تھی؟

تورات کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر مبارک اس وقت 17 سال تھی[2] جبکہ

---

[1] امیر محمد اکرم اعوان، اسرار التنزیل

[2] کتاب پیدائش 37:2

مفسرین کرام نے اس بارے میں مختلف روایتیں بیان کی ہیں۔جن میں آپ کی عمر مبارک سات برس[1] سات آٹھ سال[2] بارہ سال[3] چودہ سال کے لگ بھگ[4] سترہ سال[5] اٹھارہ اور بیس کے درمیان[6] کا ذکر ہے۔بروایت حضرت وہب (رحمۃ اللہ علیہ) آپ کی عمر مبارک بارہ سال اور ایک روایت کے مطابق سات سال تھی۔[7]

حضرت حسن فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام سترہ برس کی عمر میں کنویں میں ڈالے گئے۔[8]

ابن وہب (رحمۃ اللہ علیہ) نے کہا کہ امام مالک (رحمۃ اللہ علیہ) نے کہا ہے: حضرت یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں پھینکا گیا تو اس وقت وہ بچے تھے۔اسی طرح ابن قاسم نے بھی آپ سے روایت کیا ہے، یعنی اس وقت آپ چھوٹے تھے۔اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد: لَا تَقْتُلُوْا یُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ یَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّیَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ[9] ہے آپ نے کہا کہ اٹھایا تو چھوٹے کو ہی جاسکتا ہے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد: اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا یَّرْتَعْ وَیَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ[10] بھی اس پر دلالت کرتا ہے۔

---

[1] امیر محمد اکرام اعوان، تفسیر اسرار التنزیل

[2] محمد آصف قاسمی، تفسیر بصیرت القرآن

[3] مفتی احمد یار خان نعیمی، نور العرفان

[4] سید قطب شہید، فی ظلال القرآن

[5] ابو البرکات عبد اللہ بن احمد النسفی، مدارک التنزیل وحقائق التاویل

[6] شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی، تفسیر مظہر القرآن

[7] ابو الحسنات سید محمد احمد قادری، تفسیر الحسنات

[8] حافظ ابو بکر، ابن ابی شیبہ: جلد نہم: حدیث 1636

[9] سورۃ یوسف 10:12

[10] سورۃ یوسف 12:12

مؤلف کی رائے میں عربوں میں سترہ یا اٹھارہ سال کا نوجوان کسی کا مرہون منت نہیں ہوتا نہ اس کو اس طرح بھائی غلام بنا سکتے تھے اور نہ ہی کنویں میں پھینک سکتے تھے۔ سترہ سال کی عمر بلوغت اور مزاحمت کی عمر شمار ہوتی ہے۔ اس لیے قرین قیاس یہی ہے کہ یوسف علیہ السلام جب کنویں میں ڈالے گئے، وہ سات یا آٹھ سال کے بچے تھے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اسی طرح کنویں کے بارے میں بھی اقوال مختلف ہیں۔ ایک قول کے مطابق: یہ بیت المقدس کا کنواں ہے، ایک قول یہ ہے: وہ اردن میں ہے یہ وہب بن منبہ کا قول ہے مقاتل کا قول ہے: یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے گھر سے تین فرسخ کے فاصلے پر تھا۔[1]

قتادہ کہتے ہیں یہ بیت المقدس کا کنواں تھا انہیں یہ خیال ہوا کہ ممکن ہے مسافر وہاں سے گزریں اور وہ اسے اپنے قافلے میں لے جائیں۔[2]

بھائیوں نے دوسرا مکر یہ کیا کہ ایک بھیڑ کے بچہ کو ذبح کیا اور اس قمیص کو اس کے خون میں آلودہ کر لیا مگر قمیص کو پھاڑنا ان کے خیال سے نکل گیا اور کہہ دیا کہ یہ یوسف علیہ السلام کا خون ہے، یعقوب علیہ السلام نے جب قمیص کو صحیح سالم دیکھا تو ان کے جھوٹ کو سمجھ گئے یعقوب علیہ السلام نے کہا جو تم کہہ رہے ہو، بات ایسی نہیں ہے بلکہ تم نے اپنی طرف سے بات گھڑ لی ہے۔ بھیڑیا یوسف کو کھا گیا لیکن کرتے کو کوئی خراش تک نہ آئی؟

تفسیر ثعلبی کے مطابق:

یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے والد کو یقین دلانے کے لیے کہ حضرت

---

[1] ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبی، تفسیر قرطبی

[2] حافظ ابوالفدا عماد الدین اسماعیل بن عمر دمشقی، تفسیر ابن کثیر

یوسف علیہ السلام کو ایک بھیڑئیے نے ہی کھالیا ہے، ایک بھیڑئیے کو باندھ کر حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس لے آئے اور کہا کہ: ابّا جان! یہی وہ بھیڑیا ہے جو ہماری بکریوں کے ریوڑ میں آتا رہتا ہے اور ان کو چیرتا پھاڑتا ہے، ہمارا خیال ہے کہ اسی نے ہمارے بھائی یوسف کا خون کیا ہے، حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھیڑئیے سے کہا قریب آؤ، وہ قریب آگیا، اس سے کہا تم نے میرے بیٹے کو مار کر تکلیف پہنچائی اور مسلسل غم میں مبتلا کر دیا ہے، پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی کہ، یا اللہ! تو اس کو گویائی دے، اللہ نے اس کو بولنا سکھا دیا، بھیڑئیے نے کہا، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو نبی بنایا ہے، نہ میں نے اس کا گوشت کھایا، نہ میں نے اس کا ایک بال اکھیڑا ہے، خدا کی قسم آپ کے لڑکے سے میرا کوئی سروکار نہیں، میں ایک پردیسی بھیڑیا ہوں میں مصر کے اطراف سے اپنے ایک بھائی کی تلاش میں آیا ہوا ہوں، میں اس کی جستجو میں تھا کہ آپ کے لڑکوں نے میرا شکار کرلیا، ہم پر انبیاء اور رسولوں کا گوشت حرام کر دیا گیا اور تمام درندوں پر حرام ہے۔" مولانا محمد نظام الدین اسیرادروی لکھتے ہیں کہ ایسی روایات اسرائیلی خرافات ہیں۔[1]

[1] مولانا محمد نظام الدین اسیرادروی، تفسیروں میں اسرائیلی روایات، ص 444

# کنویں سے بازارِ مصر تک

(ترجمہ آیت) (اب اللہ کی شان دیکھو کہ) اس کنویں کے قریب ایک قافلہ آپہنچا اور انھوں نے پانی کے لیے اپنا سقہ بھیجا، اس نے کنویں میں اپنا ڈول ڈالا (تو یوسف علیہ السلام اس سے لٹک گئے) وہ بولا کہ زہے نصیب یہ تو (نہایت حسین) لڑکا ہے۔ اور اس کو قیمتی سرمایہ سمجھ کر چھپا لیا۔ اور جو کچھ وہ کرتے تھے اللہ کو سب معلوم تھا۔[1]

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی سمجھتے ہونگے کہ انھوں نے یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈال کر اپنے من کی مراد پالی ہے، قافلے والے سمجھتے ہونگے کہ انھوں نے ایک خوبصورت غلام کی صورت میں مطاع بے بہا حاصل کرلی ہے۔ لیکن اللہ جانتا تھا کہ یوسف علیہ السلام کا قافلہ اس کی تدبیر کامل کے مطابق کس سرزمین کی طرف رواں دواں ہے اور ان کو نبوت کے عظیم فرائض منصبی کے لیے کن کن مراحل سے گزارنا ابھی باقی ہے۔

مفسرین کے مطابق یوسف علیہ السلام کو اندھے کنوئیں میں پڑے ہوئے تین دن گزر گئے تو ایک قافلے والوں نے آپ کو نکال لیا۔ یہ قافلہ مدین سے مصر جارہا تھا۔ بعض کی رائے ہے کہ یہ لوگ مدین کے باشندے تھے، جبکہ بعض کہتے ہیں کہ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے

---

[1] سورۃ یوسف 19:12

خاندان کے لوگ تھے۔قافلے کا سردار مالک بن ذعر تھا۔

صوفی عبدالحمید سواتی لکھتے ہیں:

تاریخی روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ کنعان سے مصر تک کے سفر کے دوران بعض اوقات آپ کو لیجانے والوں کے دل میں رقت پیدا ہوتی تھی مگر وہ آپ کو غلام سمجھ کر آپ سے مالی مفاد حاصل کرنے کی فکر میں رہے۔راستے میں اس شخص نے یوسف علیہ السلام سے آپ کے وطن اور خاندان کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے بتایا کہ فلاں عظیم خاندان کا فرد ہوں تو اس شخص نے افسوس کا اظہار بھی کیا۔صاحب روح المعانی اور دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اس قسم کے واقعات قصے کہانی کی کتابوں میں ملتے ہیں لہٰذا ان کے متعلق پورے وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔بہرحال مصر پہنچ کر وہ لوگ آپ کو غلاموں کی منڈی میں لے گئے،ان کو نخاس بازار کہتے تھے جہاں غلام اور لونڈی فروخت ہوتے تھے۔[1]

اس زمانے میں لونڈی اور غلام کی خرید وفروخت عام تھی۔دنیا بھر میں غلامی نے ایک ادارے کی حیثیت اختیار کی ہوئی تھی۔عام طور پر تو جنگ وجدل میں مفتوح قوم کے مرد وزن کو غلام بنالیا جاتا تھا۔لیکن اس کے علاوہ بھی غلام بنانے کے عجیب وغریب اور ظالمانہ طریقے رائج تھے۔جیسے خیمے کے باہر کسی کھیلتے بچے کو اٹھا کر لے جاتے اور فروخت کر دیتے۔علامہ جلال الدین سیوطی نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان کیا ہے۔کہ زید بن حارثہ اپنے ننھیال میں تھے کہ ان کو بنی طے کے لڑکوں کے ساتھ پکڑ کر عکاظ کے میلے میں فروخت کے لیے پیش کر دیا گیا۔یہ تو ان کی خوش قسمتی تھی کہ انہیں حکیم بن حزام نے خرید لیا اور اپنی پھوپھی ام المؤمنین سیدہ حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کی خدمت میں پیش کیا،جن کی

---

[1] صوفی عبدالحمید سواتی،معالم العرفان

وساطت سے سرورِ دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں پہنچے۔[1] اگر سرزمین حجازِ مقدس میں یہ حال تھا تو باقی دنیا میں کیا حال ہوگا؟ جب اسلام آیا تو اس نے غلاموں کے متعلق بہت سی اصلاحات کیں! اسلام نے غلامی کو غیر فطری فعل قرار دیا کہ انسان فطرتاً آزاد پیدا ہوتا ہے، اُس کی خرید و فروخت حرام ہے۔

علامہ قرطبی (1273ء) حضرت وہب بن منبہ (رحمۃ اللہ علیہ) کے حوالے سے لکھتے ہیں:

جب مالک بن ذعر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں سے خریدا تو ان کے درمیان ایک معاہدہ لکھا گیا: یہ جس کو مالک بن ذعر نے بنی یعقوب میں سے بیس درہم کے عوض خریدا ہے اور فلاں فلاں ہیں ان کا غلام ہے۔ اور انھوں نے یہ شرط رکھی کہ یہ بھاگا ہوا ہے اور یہ اس کو بغیر قید اور بیڑیوں کے نہیں رکھے گا اور اس نے ان کو اس بات پر اللہ تعالیٰ کا عہد دیا۔ اس نے کہا: اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں الوداع کہا اور آپ کہہ رہے تھے: اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کرے اگرچہ تم نے مجھے ضائع کر دیا، اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے اگرچہ تم نے مجھے رسوا کیا، اور اللہ تعالیٰ تمہارے او پر رحم کرے اگرچہ تم نے میرے او پر رحم نہیں کیا۔ انھوں نے کہا: اس الوداع کی شدت کے سبب ریوڑ نے اپنے پیٹوں میں موجود تازہ خون باہر پھینک دیا۔ انھوں نے آپ کو اونٹ کے ایسے پالان پر بٹھایا جس پر کوئی فرش اور بچھونا وغیرہ نہیں تھا اور آپ کو قید کر کے بیڑیاں پہنا دیں۔[2]

ابن کثیر نے بروایت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) لکھا ہے کہ بیس درہم میں سودا ہوا اور دس بھائیوں نے دو دو درہم آپس میں تقسیم کر لئے، تعداد کے سلسلہ میں 22 اور 40 دراہم کی

---

[1] جلال الدین سیوطی، تفسیر درمنثور، جلد پنجم صفحہ 522

[2] ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبی، تفسیر قرطبی

روایات بھی ہیں۔ برادران یوسف علیہ السلام اس معاملہ میں دراصل مال کے خواہشمند نہ تھے ان کا اصل مقصد یوسف علیہ السلام کو باپ سے جدا کرنا تھا اس لیے قلیل دراہم میں معاملہ کرلیا۔

مگر مفسرین کے اس قول کی تائید نہ تورات سے ہوتی ہے اور نہ روایات سے اور نہ قرآن عزیز کی آیات سے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ قافلے والوں ہی نے یوسف علیہ السلام کو کنوئیں سے نکالا اور غلام بنالیا، اور مال تجارت کے ساتھ ان کو مصر لے گئے۔

جن مفسروں کی رائے ہے کہ یہ بیچنے والے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی تھے صحیح نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک طرف بیچنے والوں کا ذکر کیا ہے تو ساتھ ہی خریدنے والوں کا قول نقل کیا ہے اور یہ تو یقینی امر ہے کہ مشتری مصری تھا پس ضرور ہے کہ بیع مصر میں ہوئی ہوگی نیز سیاق کلام میں یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا ذکر بھی نہیں۔[1]

## کنعان کا قبرستان

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

آپ آلِ کنعان کے قبرستان کے پاس سے گزرے تو آپ نے اپنی ماں کی قبر کو دیکھا اور ایک سیاہ فام حبشی ان کے پہرے پر مامور تھا وہ غافل ہوگیا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے آپ کو اپنی والدہ کی قبر پر گرادیا اور ان کی قبر پر لوٹ پوٹ ہونے لگے اور ان کی قبر سے گلے لگ گئے اور اضطراب میں کہنے لگے: اے میری ماں! سر اٹھا کر اپنے بیٹے کو دیکھئے وہ کس طرح زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ گلے میں غلامی کا طوق پڑا ہوا ہے۔ اس کو اس کے بھائیوں نے اس کے والد سے جدا کردیا آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ وہ ہم کو اپنی رحمت کے مستقر میں جمع کردے بیشک وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے ادھر جب اس حبشی نے

---

[1] جلال الدین سیوطی، تفسیر جلالین

حضرت یوسف علیہ السلام کو پالان پر نہیں دیکھا تو وہ پیچھے دوڑا اس نے دیکھا کہ وہ ایک قبر کے پاس ہیں اس نے اپنے پیر سے خاک پر ٹھوکر ماری اور حضرت یوسف علیہ السلام کو خاک پر لوٹ پوٹ کر دیا اور آپ کو دردناک مار لگائی۔

علامہ قرطبی مزید لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا: مجھے مت مارو اللہ کی قسم میں بھاگا نہیں تھا میں جب اپنی ماں کی قبر کے پاس سے گزرا تو میں نے چاہا کہ میں اپنی ماں کو الوداع کہوں اور میں دوبارہ ایسا کام نہیں کروں گا جو تم کو ناپسند ہو۔ اس حبشی نے کہا: اللہ کی قسم تو بہت برا غلام ہے تو کبھی اپنے باپ کو پکارتا ہے اور کبھی اپنی ماں کو پکارتا ہے تو نے اپنے مالکوں کے سامنے ایسا کیوں نہیں کیا؟ تب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر دعا کی: اے اللہ! اگر تیرے نزدیک میرے یہ کام خطا ہیں تو میں اپنے دادا حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب (علیہم السلام) کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں کہ تو مجھے معاف کر دے اور مجھ پر رحم فرما تب آسمان کے فرشتوں نے چیخ و پکار کی اور حضرت جبرائیل (علیہ السلام) نازل ہوئے اور کہا: اے یوسف علیہ السلام! اپنی آواز کو پست رکھیں آپ نے تو آسمان کے فرشتوں کو رلا دیا ہے کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں زمین کا حصہ نیچے اور نیچے کا حصہ اوپر کر کے اس زمین کو الٹ پلٹ کر دوں! حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا: اے جبرائیل (علیہ السلام) ٹھہرو! بیشک اللہ تعالیٰ حلیم ہے جلدی نہیں کرتا تو جبرائیل (علیہ السلام) نے زمین پر اپنا پر مارا تو زمین پر اندھیرا چھا گیا اور گرد و غبار اڑنے لگا اور سورج کو گہن لگ گیا اور قافلہ اس حال میں تھا کہ کوئی شخص دوسرے کو نہیں پہچان رہا تھا۔

مفسر قرطبی مزید رقمطراز ہیں:

قافلہ کے سردار نے کہا: تم میں سے کسی نے ضرور کوئی ایسا کام کیا ہے جو پہلے نہیں کیا گیا

تھا میں اتنے طویل عرصہ سے اس علاقہ میں سفر کر رہا ہوں اور میرے ساتھ کبھی اس قسم کا معاملہ پیش نہیں آیا تب اس حبشی غلام نے کہا میں نے اس عبرانی غلام کو ایک تھپڑ مارا تھا تب اس نے آسمان کی طرف اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور کچھ دعا کی پتا نہیں اس نے کیا دعا کی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے ہمارے خلاف دعا کی تھی۔ سردار نے کہا تو نے ہمیں ہلاک کرنے کا سامان کر دیا۔ اس غلام کو ہمارے پاس لے کر آؤ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو لے کر آیا، سردار نے ان سے کہا اے لڑکے! اس نے تم کو تھپڑ مارا جس کے نتیجہ میں ہم پر وہ عذاب آیا جس کو تم دیکھ رہے ہو، اگر تم بدلہ لینا چاہتے ہو تو تم جس سے چاہو بدلہ لے لو اور اگر تم معاف کر دو تو تم سے یہی توقع ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا میں اس امید پر اس کو معاف کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرما دے گا تو اسی وقت وہ گرد و غبار چھٹ گیا اور سورج ظاہر ہو گیا اور مشرق اور مغرب میں روشنی پھیل گئی اور وہ سردار صبح و شام حضرت یوسف علیہ السلام کی زیارت کرتا تھا اور آپ کی تعظیم و تکریم کرتا تھا حتیٰ کہ حضرت یوسف علیہ السلام مصر پہنچ گئے۔ [1]

''حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی کا یہ پہلو اپنے اندر کس قدر عظمتیں پنہاں رکھتا ہے اس کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جو چشم بصیرت رکھتا ہے، چھوٹی سی عمر ہے، والدہ کا انتقال ہو چکا ہے، باپ کی آغوش محبت تھی وہ بھی چھوٹی، وطن چھوٹا بھائیوں نے بے وفائی کی، آزادی کی جگہ غلامی نصیب ہو گئی، مگر ان تمام باتوں کے باوجود نہ آہ و زاری ہے اور نہ جزع و فزع، قسمت پر شاکر، مصائب پر صابر اور قضائے الٰہی پر راضی برضاء سرِ نیاز خم کیے ہوئے بازار مصر میں فروخت ہونے کیلئے جا رہے ہیں۔ [2]

تقریباً دو ہزار سال قبل مسیح مصر تمدن و تہذیب کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا یہاں کے حکمران

---

[1] ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابو بکر قرطبی، تفسیر قرطبی

[2] جلال الدین سیوطی، تفسیر جلالین

عمالقہ (ہکیسوس) تھے مصر کے حکمران کا لقب فرعون ہوا کرتا تھا، جس وقت حضرت یوسف علیہ السلام ایک غلام کی حیثیت سے مصر میں داخل ہوئے، مصر کا دارالسلطنت رعمیس تھا یہ غالباً اسی جگہ واقع تھا جہاں آج صان کی بستی واقع ہے، ان دنوں مصر کا حکمران ریّان بن ولید تھا اور بعض نے ریان بن اسید بتایا ہے''۔[1]

جب وہ قافلہ مصر کے پایہ تخت منف (منفس) میں پہنچا تو قافلہ والوں نے دوسرے سامان تجارت کے ساتھ آپ کو فروختگی کے لیے پیش کیا۔ گلشن خلیل کا مہکتا ہوا پھول جب بازار مصر میں لایا گیا ہوگا تو ساری فضا معطر ہوگئی ہوگی۔ حسن و جمال کا ایسا مرقع نہ آنکھوں نے آج تک دیکھا اور نہ کانوں نے سنا۔ ایسے غلام کی آمد کی خبر آن واحد میں شاہی ایوانوں میں گھومنے لگی ہوگی اور دیکھتے ہی دیکھتے خریداروں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ گئے ہونگے۔ لوگوں نے بڑھ چڑھ کر قیمت پیش کرنے میں بخل سے کام نہ لیا ہوگا۔ آخر مصر کے ایک امیر کبیر شاہی دربار کے ایک اعلیٰ افسر نے آپ کو خریدا اور آپ کے خریدار کا نام فوطی فار ہے۔ چنانچہ بائبل میں ہے دو مدیانیوں نے اسے مصر میں فوطی فار کے ہاتھ جو فرعون کا ایک حاکم اور جلوداروں کا سردار تھا بیچا (پیدائش 38:36) قرآن حکیم نے اسے عزیز مصر کے لقب سے یاد فرمایا ہے۔[2]

جب یوسف علیہ السلام مصر کے بازار میں پہنچے تو گاہکوں نے آپ کی مختلف قیمتیں لگائیں۔ اگرچہ اس معاملہ میں کوئی یقینی بات نہیں کی جاسکتی، تاہم بعض کہتے ہیں کہ آپ کی قیمت ہم وزن سونا لگائی گئی اور بعض کہتے ہیں کہ ہم وزن چاندی کی پیشکش ہوئی۔ اس کے علاوہ ہم وزن کستوری اور ہم وزن ریشم بھی لوگوں نے پیش کی۔ یہ بھی بڑی قیمتی چیزیں تھیں۔ بہرحال عام غلاموں کی نسبت یوسف علیہ السلام کی قیمت بہت لگائی گئی۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ قافلے

---

[1] جلال الدین سیوطی، تفسیر جلالین

[2] پیر کرم شاہ الازہری، ضیاالقرآن

والے جس شخص نے آپ کو خریدا تھا اس نے بھی آپ کو سستے داموں ہی فروخت کر دیا۔ اس نے آپ کے عوض بیس دینار، ایک جوڑا جوتے اور دو سفید کپڑے وصول کئے۔ یہ سب تاریخی روایات ہیں اور کوئی یقینی بات نہیں۔

قرآن کریم نے چند دراہم کا ذکر کیا ہے: اور انھوں نے اس کو ایک حقیر قیمت کے بدلے میں بیچ ڈالا، چند دراہم کے عوض اور وہ اس کے معاملے میں بالکل بے پروا تھے۔[1]

ابن اسحاق و ابن جریر و ابوالشیخ رحمہم اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ وہ شخص جس نے آپ کو عزیز مصر کے پاس بیچا تھا اس کا نام مالک بن ذعر تھا جب اس نے بیچا تو پوچھا تو کون ہے اور مالک مدینہ والوں میں سے تھا جب یوسف علیہ السلام نے اس کو بتایا کہ وہ کون ہے اور کس کا بیٹا ہے؟ تو وہ آپ کی عظیم شان کو پہچان گیا اور کہا اگر مجھے اپنے متعلق بتاتے تو میں تجھ کو کبھی فروخت نہ کرتا اب میرے لیے دعا کر دیجئے یوسف علیہ السلام نے اس کے لیے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تیرے لیے تیرے اہل و عیال میں برکت دے.....[2]

## عزیز مصر کی فراست:

ڈاکٹر اسلم صدیقی لکھتے ہیں:

عزیز مصر نے آپ کی لوحِ جبیں پر سعادت و نجابت کے نقوش دیکھ لیے تھے۔ بڑی محبت سے گھر لایا اور اپنی بیوی سے کہا کہ بڑا پیارا بچہ مل گیا ہے اس کے آرام و آسائش کا ہر وقت خیال رکھنا۔ اس کی کسی طرح دل آزاری نہ ہو۔ اس کی شکل و صورت کسی شاندار مستقبل کی

---

[1] سورۃ یوسف 20:12

[2] جلال الدین سیوطی تفسیر درمنثور

غمازی کر رہی ہے ۔ ہوسکتا ہے کسی دن ہمارے لیے یہ مفید ثابت ہو یا ہم اسے اپنا بیٹا ہی بنالیں ۔ اس نے اپنی بیوی کو ہدایت کی کہ اس لڑکے سے غلاموں جیسا سلوک نہ کرنا بلکہ اسے عزت و اکرام سے جگہ دینا، یہ دکھوں کا مارا لڑکا بکتا ہوا یہاں پہنچ گیا ہے لیکن حقیقت میں یہ کسی بڑے خاندان کا چشم و چراغ معلوم ہوتا ہے ۔ اس کی یاد اسے پریشان نہیں کرے گی ۔ لیکن اگر ہم نے اسے غلاموں کی طرح رکھا تو بیٹے جیسی عزت ملنے کے بعد بھی اس کے پہلو کی کسک اسے ہمیشہ پریشان رکھے گی ۔ [1]

زیادہ تر مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ شخص بے اولاد تھا اور اس کی فراست بڑی صادقہ تھی اور یہ روایت نقل کی ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: فراست کے اعتبار سے لوگوں میں سب سے اچھے تین آدمی تھے ۔ ایک عزیز مصر جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے چہرے سے سعادت کے آثار بھانپ لیے اور کہا عَسٰۤی اَنۡ یَّنۡفَعَنَاۤ اَوۡ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا [2] شاید یہ ہم کو فائدہ پہنچائے یا ہم اس کو بیٹا بنالیں ۔ (دوسری) حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام میں شرافت کے آثار دیکھ کر اپنے باپ سے کہا تھا: یٰۤاَبَتِ اسۡتَاۡجِرۡهُ ۫ اِنَّ خَیۡرَ مَنِ اسۡتَاۡجَرۡتَ الۡقَوِیُّ الۡاَمِیۡنُ [3] اے ابا جان! آپ انہیں اُجرت پر رکھ لیں ۔ بیشک جن کو آپ اُجرت پر رکھیں ان میں بہترین شخص وہ ہے جو طاقتور اور ایماندار ہو (تیسرے) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں جب انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کر دیا ۔

---

[1] مولانا ڈاکٹر محمد اسلم صدیقی، تفسیر روح القرآن

[2] سورۃ یوسف 21:12

[3] سورۃ القصص 26:28

ابن عربی کہتے ہیں:

اس خبر کو نقل کرنے پر اتفاق کر لینے میں مفسرین پر تعجب ہے فراست عجیب علم ہے ۔۔۔۔۔اور ان کی نقل کردہ اس بات میں، یہ یوں نہیں، کیونکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلافت کا والی بنایا تو یہ اعمال میں تجربہ، صحبت میں مواظبت اور طوالت، اور ان کی طرف سے علم احسان کا مشاہدہ کر لینے کے بعد تھا اور یہ فراست کے طریقہ پر نہیں ہے، جہاں تک حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی کا تعلق ہے تو اس کے پاس بھی واضح علامات موجود تھیں جس طرح کہ سورۃ القصص میں آئے گا، البتہ عزیز مصر کے معاملہ کو فراست بنایا جا سکتا ہے کیونکہ اس کے پاس کوئی ظاہرہ علامت نہیں تھی۔ واللہ اعلم [1]

جس شخص نے مصر میں آپ کو خریدا اس سورۃ مبارکہ میں اس کا نام تو ظاہر نہیں کیا گیا، البتہ اس کا لقب عزیز آتا ہے۔ بائبل کی روایت کے مطابق اس شخص کا نام فوطیفار تھا۔ بعض روایات میں فوطی مار بھی آتا ہے۔ یہ شخص حکومت کے بڑے عہدیداروں میں سے تھا وہ وزیر اعظم تو نہیں تھا، البتہ فنانس منسٹر (وزیر مالیات) یا خزانے کا انچارج تھا۔ یہودیوں کی کتابوں میں یہ بھی آتا ہے کہ یہ شخص مصر کے بادشاہ فرعون کے باڈی گارڈوں کا انچارج تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ ملک کی فوج بھی اسی کے تصرف میں تھی اور اس لحاظ سے یہ وزیر دفاع تھا۔ بہر حال اس شخص نے زیادہ سے زیادہ قیمت ادا کر کے یوسف علیہ السلام کو خرید لیا۔ [2]

حضرت یوسف علیہ السلام کی خریداری کے بارے میں لوگوں نے بڑے عجیب و غریب واقعات اور کہانیاں بیان کی ہیں ان میں سے کچھ صحیح ہیں اور کچھ غلط ہیں۔ بعض کہانی نویسوں

---

[1] ابو عبداللہ محمد بن احمد بن ابو بکر قرطبی، تفسیر قرطبی

[2] صوفی عبدالحمید سواتی، معالم العرفان

نے یہ قصہ بھی لکھا ہے کہ ایک بڑھیا سوت کی اٹی لیکر یوسف علیہ السلام کو خریدنے کے لیے جا پہنچی۔ لوگوں نے کہا یہاں تو بڑی بڑی رقم لگ رہی ہے تو تم سوت کی اٹی کے ساتھ خریدنا چاہتی ہو۔ اس نے کہا کہ ملے نہ ملے گاہکوں میں میرا نام تو لکھا جائے گا۔ [1]

اللہ تعالیٰ نے اس طرح یوسف علیہ السلام کو کنعان کے کنوئیں سے نکال کر عزیز مصر کے گھر پہنچا دیا۔

[1] سرفراز خان صفدر، تفسیر ذخیرہ الجنان

# یوسف (علیہ السلام) عزیزِ مصر کے محل میں

(ترجمہ آیت) اور مصر میں جس شخص نے اس کو خریدا اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اس کو عزت و اکرام سے رکھو عجب نہیں کہ یہ ہمیں فائدہ دے یا ہم اسے بیٹا بنالیں۔ اس طرح ہم نے یوسف (علیہ السلام) کو سرزمین (مصر) میں جگہ دی اور غرض یہ تھی کہ ہم ان کو خوابوں کی تعبیر سکھائیں اور اللہ اپنے کام پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔[1]

عزیز مصر نہایت محبت اور احترام سے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے گھر لے آیا اور ان سے غلاموں جیسا معاملہ کرنے کے بجائے گھر کے ایک فرد کی طرح ہر ایک آرام کا خیال رکھنے لگا۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام عزیز مصر کے گھر میں آئے تھے اس وقت بعض روایات کے مطابق ان کی عمر سات آٹھ سال کی تھی۔[2]

آپ علیہ السلام کا بچپن اور لڑکپن جس ماحول میں گزرا تھا وہ ایک قبیلے کا ماحول لیکن نبوت کا گھرانہ تھا جس میں ایک طرف آزاد زندگی کا تصور، عزت نفس کی پاسداری، سہاروں کی عدم احتیاج اور بڑے سے بڑے خطرے سے ٹکرا جانے کا حوصلہ جیسی صفات قبیلے کی وراثت کے طور پر پہلے ہی آپ میں موجود تھیں اور دوسری طرف بلند کردار اور پاکیزہ اخلاق اور اپنے

---

[1] سورۃ یوسف 21:12

[2] محمد آصف قاسمی، تفسیر بصیرت القرآن

پروردگار کی قدرتوں کا ہر دم استحضار ایسی صفات کی نعمت آپ علیہ السلام کو گھر کے ماحول سے میسر آچکی تھی۔ چنانچہ عزیز مصر کے گھر پہنچ کر جب نبوی خصائل، قبائل کی خصوصیات اور جدید زندگی کے اوصاف و کمالات آپ علیہ السلام کے اندر جمع ہونے لگے اور آپ علیہ السلام کی جوانی ان کی غمازی کرنے لگی تو آپ علیہ السلام ایک ایسے جوان رعنا کی شکل اختیار کر گئے کہ جس کی نظیر مصر میں تو کیا کسی جگہ بھی ممکن نہ تھی۔ قدرت نے آپ علیہ السلام کو پیدائشی طور پر ظاہری حسن سے حصہ وافر عطا فرمایا تھا اور پیغمبرانہ صفات آپ علیہ السلام میں آپ علیہ السلام کے عظیم باپ کی تربیت نے پیدا کر دی تھیں اور جدید دور کی خوبیاں عزیز مصر کے گھر نے آپ علیہ السلام کے اندر تیزی سے ابھاریں۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ اگر ایک طرف نامناسب نظریں آپ علیہ السلام کی طرف اٹھنے لگیں تو دوسری طرف آپ علیہ السلام کی صلاحیتوں سے متاثر ہو کر عزیز مصر نے آپ علیہ السلام کو اپنی جاگیر بلکہ تمام معاملات کا منتظم بنا دیا۔ بائبل کا بیان ہے کہ اس نے آپ علیہ السلام کو اس حد تک خودمختاری دی کہ سب کو یوسف علیہ السلام کے ہاتھ میں چھوڑ دیا اور سوا روٹی کے جسے وہ کھا لیتا تھا اسے اپنی کسی چیز کا ہوش نہ تھا۔ (پیدائش۔ 39:6) [1]

کہتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام جو کام کرتے اس میں کامیاب ہوتے اور جب سے عزیز مصر کے گھر میں قدم رکھا اس کی کھیتی اور مال و تجارت میں خوب برکت ہونے لگی۔ یوسف علیہ السلام کے ساتھ شروع سے لے کر اب تک جو کچھ ہوا، اللہ کی مرضی سے ہوا، اور اس لیے ہوا تاکہ اللہ انہیں عزیز مصر کے گھر پہنچا دے، پھر وہ کچھ واقع ہوا جو زلیخا کی جانب سے ہوا، یوسف علیہ السلام جیل جائیں، اور اللہ انہیں خواب کی تعبیر سکھائے، اور پھر وہ بادشاہ کے خواب کی تعبیر بتا کر وزارت کی کرسی پر پہنچ جائیں، یہ اللہ کا فیصلہ تھا جسے بہرحال ہونا تھا لیکن اکثر لوگ اس حقیقت پر یقین

---

[1] محمد آصف قاسمی، تفسیر بصیرت القرآن

نہیں رکھتے ہیں، کہ اللہ کے فیصلے میں کوئی دخل انداز نہیں ہو سکتا ہے۔[1]

حیرانی کی بات ہے کہ بھائیوں نے تو اپنے چھوٹے بھائی سے پیچھا چھڑانے کے لیے اسے کنویں کی نذر کر دیا اور مطمئن ہو بیٹھے کہ وہ یا تو مر گیا ہو گا اور یا کہیں ذلت سے زندگی گزار رہا ہو گا۔ اس بات کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ یوسف علیہ السلام کسی شاہی خاندان میں بکتے ہوئے پہنچیں گے لیکن وہاں انھیں ماں باپ کی شفقت ملے گی اور بیٹوں جیسی عزت ملے گی اور گھر کی خوشحالیاں ان کی زندگی کے ارمان پورا کرنے کے لیے کافی ہوں گی لیکن یہ سب کچھ ہو کے رہا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا اور اس کی مشیت یہ فیصلہ کر چکی تھی کہ یوسف علیہ السلام کو جس کارِ عظیم کے لیے مصر لایا گیا ہے اس کے اسباب فراہم کیے جائیں۔[2]

ضحاک نے کہا: وہ آدمی جس نے آپ کو خریدا وہ مصر کا بادشاہ تھا اور اس کا لقب عزیز ہے۔ سہیلی نے کہا: اس کا نام قطفیر ہے ابن اسحاق نے کہا: اطفیر بن رویحب نے اپنی بیوی راعیل کے لیے اسے خریدا۔ ایک قول کے مطابق: اس کا نام زلیخا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے عزیز (مصر) کے دل میں حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت ڈال دی تھی تو اس نے اس کی وصیت اپنے اہل خانہ کو کی۔ ایک قول کے مطابق: ولید بن ریان عمالقہ کا ایک آدمی تھا، جبکہ ایک قول کے مطابق: وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک قول کی وجہ سے کہ: وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ۔ (غافر 34:40)، ایک قول یہ ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون حضرت یوسف علیہ السلام کے فرعون کی اولاد میں سے تھا جس طرح کہ اس کا بیان سورۃ غافر میں ہے اور یہ عزیز جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بادشاہ کے

---

[1] ڈاکٹر محمد لقمان سلفی، تیسیر الرحمٰن لبیان القرآن

[2] مولانا ڈاکٹر اسلم صدیقی، تفسیر روح القرآن

خزانوں پر (نگرانی کے لیے) خریدا اس نے مالک بن ذعر سے حضرت یوسف علیہ السلام کو بیس دینار کے عوض خریدا اور اس کے ساتھ ایک حلہ اور نعلین زائد دیے۔ ایک قول یہ ہے: اس نے آپ کو قافلہ والوں سے خریدا۔ ایک قول کے مطابق: انھوں نے آپ کی قیمت میں اتنی زیادتی کر لی کہ آپ کے وزن کے دوگنا وزن کے برابر، عنبر، ریشم، چاندی، سونا، موتی اور جواہر تھے جن کی قیمت سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ قطفیر نے مالک بن ذعر سے اس قیمت کے عوض آپ کو خرید لیا۔ یہ وہب بن منبہ کا قول ہے۔[1]

بعض مفسرین جن میں سیّد ابوالاعلیٰ مودودی بھی شامل ہیں کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام کو عرب کی بدویت سے نکال کر مصر لایا گیا تاکہ آپ مصر کی سوسائٹی کو قریب سے دیکھیں، امور مملکت سیکھیں، متمدن دنیا کے حالات سے تربیت حاصل کر سکیں اور مستقبل کی ذمہ داریوں کے لیے تیار ہوں۔

لیکن بقول صوفی عبدالحمید سواتی، اس بات کو کسی خاص حد تک تو تسلیم کیا جا سکتا ہے مگر مکمل طور پر نہیں کیونکہ اللہ کے نبیوں کو تربیت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اخلاقی لحاظ سے عوام الناس کو چار گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے بعض لوگ اخلاق سے بالکل خالی ہوتے ہیں۔ بعض میں اخلاق کا معمولی حصہ ہوتا ہے، بعض میں اخلاق کا وافر حصہ موجود ہوتا ہے اور بعض انسان اخلاق کے امام ہوتے ہیں اور وہ کسی دوسرے شخص سے اخلاق نہیں سیکھا کرتے بلکہ باقی لوگ ان سے اخلاق کی تربیت حاصل کرتے ہیں۔ اس سے یہ نظریہ باطل ہو جاتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کو مصر میں تربیت کے لیے بھیجا گیا تھا۔ جسے خود اللہ تعالیٰ حکمت اور علم عطا فرما دے اس کے لیے نظام حکومت چلانا مشکل

---

[1] ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر، قرطبی، تفسیر قرطبی

نہیں رہتا۔عام انسانوں کے لیے تو تربیت کا قانون درست ہے مگر اللہ کے انبیاء علیہم السلام پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔[1]

عربی کا ایک مشہور مقولہ ہے جس کا ترجمہ ہے۔اللہ تعالیٰ کے اکثر احسانات و کرم مصائب میں مستور ہوتے ہیں، یوسف علیہ السلام کی ساری زندگی ہو بہو اس کا مصداق ہے، بچپن کی پہلی مصیبت یا آزمائش نے کنعان کی بدوی زندگی سے نکال کر تہذیب و تمدن کے گہوارہ مصر کے ایک بڑے گھرانے کا مالک بنا دیا، غلامی میں آقائی اسی کو کہتے ہیں۔[2]

[1] صوفی عبدالحمید سواتی، معالم العرفان
[2] جلال الدین سیوطی، تفسیر جلالین

# قدیم مصری تہذیب

جس دور میں حضرت یوسف علیہ السلام قدیم مصر میں رہتے تھے، اس دور کے بارے میں تاریخ کے مختلف اندازے ہیں، اس دور کا قطعی تعین کرنا اور واقعات اور ان کی صحیح تاریخ بتانا مشکل ہے۔ تاہم بعض کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام قدیم مصر میں 1656 قبل مسیح میں فرعونوں کے دور میں رہتے تھے، بعض نے 1686 قبل مسیح اور بعض نے 1937 قبل مسیح بھی لکھا ہے۔

قدیم مصری تہذیب دریائے نیل کے کنارے آباد تھی، جہاں آج کا مصر آباد ہے۔ مصر کا قرآن کریم میں بھی ذکر ہے۔[1] اور حدیث میں بھی ذکر ہے۔

مصر کی شہرت کی ایک وجہ اس کا پیغمبروں کی سرزمین ہونا بھی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام اور حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کا تعلق اسی سرزمین سے ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا تعلق بھی اسی سرزمین سے ہے، کیونکہ آپ علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تقریباً چار سو سال قبل بھائیوں کے حسد کی وجہ سے غلام بن کر مصر پہنچے تھے۔

قاضی سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں:

مصر کی خاص شہرت دریائے نیل کی وجہ سے بھی ہے۔ یہ دریا ایشیا و یورپ اور افریقہ

---

[1] سورۃ یوسف 21:12

کے سب دریاؤں سے زیادہ لمبا بہنے والا ہے۔ دریائے نیل افریقہ کی تین جھیلوں کے مجموعہ آب سے مل کر بنتا ہے۔ ان جھیلوں کو مسلمانانِ اندلس نے دریافت کرلیا تھا۔ مگر اب یورپ نے ان کا نام وکٹوریا نیانزا، البرٹ نیانزا، اور البرٹ ایڈورڈ نیانزا رکھ دیا ہے۔ گویا ان کی دریافت صرف انھی عہود میں ہوئی۔

دریائے نیل کو عہدِ قدیم میں ایک مقدس دیوتا سمجھا کرتے۔ اور سال بسال ایک کنواری لڑکی کو دلہن بنا کر اس کی بھینٹ چڑھایا کرتے تھے۔ جب مصر مسلمانوں نے فتح کیا۔ گورنر نے خلیفہ راشد کی خدمت میں تمام احوال لکھ بھیجا۔ امیر المؤمنین نے ایک خط دریائے نیل کے نام لکھا اور دوسرا خط والی کو لکھا کہ جس مقام پر دلہن کو بھینٹ چڑھایا جاتا تھا وہاں میرا فرمان ڈال دیا جائے۔ ایسا ہی کیا گیا اور پھر کبھی خلافتِ راشدہ کے عہد ہمایوں میں فیضانِ ماء میں کمی نہ آئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان کی نقل یہ ہے:

(ترجمہ) اللہ کے نام سے جو بڑی رحمت اور کمال رحم والا ہے۔ اللہ کے غلام مومنین کے امیر عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) کی طرف سے دریائے نیل کے نام۔ واضح ہو کہ اگر تو اپنی مرضی سے بہا کرتا ہے تو اب نہ بہنا۔ اور اگر تیرا جاری کرنے والا، بہانے والا وہ یکتا مالک ہے جو سب پر حکمران ہے تو ہم اُسی سے سوال کرتے ہیں کہ وہ تجھے جاری فرما دے۔ [1]

مصر کا حُسن و جمال بھی مشہور ہے۔ امراۃِ عزیز کے بارے میں بھی آتا ہے کہ وہ حسین و جمیل عورت تھی۔ قدیم مصر کی تاریخ کی خوبصورت ترین تسلیم کی جانے والی عورتوں میں ایک نام ملکہ قلوپطرہ کا بھی ہے۔ بقول قاضی سلمان منصور پوری: داستاں نویسوں کے نزدیک مصر کا

---

[1] قاضی محمد سلیمان منصور پوری، الجمال والکمال، ص 61

حُسن و جمال اور وہاں کی عشرت پسندی ایک مسلمہ امر رہی ہے۔ ملکہ قلوپطرہ کا حال اور اس کی رنگ رلیوں کی داستاں سے مصر و روما اور یورپ کا کون سا مورخ ناواقف ہوگا۔[1]

لیکن تاریخ بھی بتاتی ہے اور کتابوں اور تجربوں اور مشاہدوں میں بھی بہت سی مثالیں ہیں کہ حُسنِ آوارہ کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوتا۔ چنانچہ قلوپطرہ کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ اس نے عین جوانی کی عمر میں خودکشی کر لی تھی۔

جہاں تک مذہب کا تعلق ہے، قدیم مصری مشرک تھے، دیوتاؤں اور دیویوں کی پوجا کرتے تھے۔ ہر دیوتا فطرت، زندگی اور انسانی خصوصیات کے مختلف پہلوؤں کی نمائندگی کرتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود قدیم مصری معاشرہ مذہب سے بھی گہرا متاثر تھا۔ یہاں کی تہذیب میں بھی مذہب اور ریاست یکجا تھے۔ فرعون کا عبرانی زبان میں معنی ہے سورج کا بیٹا یا سورج کا عکس۔ قدیم مصری تہذیب میں سورج کو بادشاہ کہا جاتا۔ اس کی پوجا کی جاتی۔ فرعون مذہب کے نام پر ہی حکمرانی کرتا اور خود کو اعلیٰ ربّ کہتا تھا۔ اس طرح، فرعون کی حکمرانی کو مقدس سمجھا جاتا اور اُسے بادشاہ کے طور پر زمین پر خدا تصور کیا جاتا تھا۔

نیکی اور گناہ کا تصور بھی اس سوسائٹی میں موجود تھا، جیسا کہ قرآن نے عزیزِ مصر کے الفاظ نقل کیے ہیں کہ جب یوسف علیہ السلام کی بیگناہی کی شہادت آ گئی تو اس نے اپنی عورت سے کہا کہ یہ تیری فریب کاری ہے، تو اپنے گناہ کی معافی مانگ۔

مذہبی تقریبات اور رسومات بھی قدیم مصری زندگی کا ایک لازمی حصہ تھیں۔ مندر مذہبی سرگرمیوں میں مرکزی حیثیت رکھتے تھے، اور مختلف رسومات اور تقریبات کے انعقاد میں کاہنوں اور پجاریوں کا اہم کردار تھا۔ دیوتاؤں کو خوش کرنے اور ان کے احسان اور تحفظ کو یقینی

---

[1] قاضی محمد سلیمان منصور پوری، الجمال والکمال، ص 61

بنانے کے لیے قربانیاں دی جاتیں اوران سے دعائیں مانگی جاتیں۔ پادریوں اورکاہنوں کا بہت احترام کیا جاتا تھا وہ معاشرے میں کافی طاقت رکھتے تھے۔وہ مندروں میں مذہبی رسومات کو برقرار رکھنے اوران کی انجام دہی،مندروں کی املاک اورمقدس اشیاء کی دیکھ بھال کے بھی ذمہ دار تھے۔

قدیم مصری معاشرہ درجہ بندی پرمبنی تھا،جس میں فرعون سرفہرست تھا،اوراشرافیہ کے بعد آبادی کی اکثریت کسانوں،مزدوروں اورغلاموں پر مشتمل تھی۔دنیا کی ابتدائی زرعی تہذیبوں میں مصر کی سرزمین بھی Agrarian-Based تھی،عوام کی اکثریت زمین پر کام کرتی اور پوری آبادی کو اجناس کی فراہمی کا بندوبست کرتی۔اشرافیہ کی خواتین کا کافی اثرورسوخ تھا۔

یہ معاشرہ اس قسم کا تھا جیسے آج کا مغربی معاشرہ یا تہذیبِ فرنگی ہے جس میں اختلاط مردوزن کو معیوب نہیں سمجھا جاتا،پردے کا تصورتو بڑی دور کی بات ہے،اگرفریقین باہمی رضا مندی سے حرام کاری کرلیں تو اسے بھی عیب خیال نہیں کیا جاتا۔

مولانا عبدالماجد دریا آبادی لکھتے ہیں:

بہت سے جاہلی مذہبوں میں زناکاری بجائے خود کوئی جرم ہی نہیں ہے البتہ حقوق شوہری میں خیانت جرم ہے عجب نہیں جو اس وقت کے مصری مذہب میں بھی یہی ہو۔

جیسا کہ تورات میں ہے"اوراس کے بعد یوں ہوا کہ اس کے آقا کی جورو کی آنکھ یوسف پر لگی اوروہ بولی کہ میرے ساتھ ہمبستر ہو(پیدائش 39:8)اوروہ ہر چند یوسف کو روز روز کہتی رہی،پر اس نے ایک نہ سنی کہ اس کے ساتھ سووے یا اس کے ساتھ رہے۔ (پیدائش 39:10)

زلیخا کی اس فردِ قرارداد جرم سے بھی اس قرینہ کی تائید ہوتی ہے کہ اس ملک اوروقت کے

قانون میں اقدام زنا بجائے خود کوئی جرم نہ تھا بلکہ ناموس شوہری میں خیانت اصل جرم تھی۔[1]

علامہ حنیف ندوی لکھتے ہیں:

یہ اس وقت کے تمدن کا صحیح نقشہ ہے کہ امراء کی عورتیں عام طور پر عصمت فروش ہوتی تھیں اور شہوات نفسانی میں اس درجہ غلو تھا کہ اپنے غلاموں سے بھی پرہیز نہیں تھا۔ آج کل بھی اونچے طبقوں میں یہی کیفیت ہے کیونکہ دولت کی فراوانی کے ساتھ دینی ضبط اور کنٹرول نہیں۔ جس سے نفس کی شورشوں کو روکا جاسکے۔[2]

مولانا ڈاکٹر محمد اسلم صدیقی لکھتے ہیں:

مصر میں اس وقت جو تہذیب عروج پر تھی اس میں تہذیب مغرب کی طرح عورتوں کو ترجیح حاصل تھی اور اس ماحول میں میاں بیوی کے تعلقات کی نوعیت اس طرح کی ہوگئی تھی کہ شوہر صریحاً اپنی بیوی کی بے حیائی دیکھ کر بھی کھل کر اسے ڈانٹ نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ زلیخا کے میاں نے اس یقین کے باوجود کہ زلیخا نے بے حیائی کے ارتکاب کی کوشش کی کھل کر کچھ کہنے کی بجائے جمع کے صیغے میں لپیٹ کر بات نبٹانے کی کوشش کی اور دوسرے لفظوں میں یہ بھی کہہ دیا کہ تم نے جو حرکت کی ہے یہ کوئی نئی بات نہیں، تم عورتوں کے ایسے ہی چرتر ہیں جو ہر سوسائٹی میں دکھائی دیتے ہیں۔[3]

مختصراً یہ کہ قدیم مصری معاشرے کا نظام مشرکانہ اعتقاد کا حامل نظام تھا جس کی جڑیں شرک کے ساتھ بہت گہری تھیں۔ جس نے ان کے مذہبی اور سماجی ڈھانچے کو بری طرح

---

[1] عبدالماجد دریا آبادی، تفسیر ماجدی

[2] محمد حنیف ندوی۔ تفسیر سراج البیان جلد 2، صفحہ 567

[3] مولانا ڈاکٹر محمد اسلم صدیقی، تفسیر روح القرآن

متاثر کیا ہوا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام مصر کے حکمران بنے تو پیغمبرانہ اصلاحات سے اس خطے کی تقدیر بدل دی۔ یہ سلسلہ تقریباً چار سو سال تک جاری رہا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد قوم عمالیق کے فراعنہ مصر پر مسلط ہو گئے اور بنی اسرائیل کو غیر ملکی سمجھ کر طرح طرح کی ایذائیں دینے لگے، یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس عذاب سے نجات دی۔

# عزیزِ مصر کی عورت

(ترجمہ) تو جس عورت کے گھر میں وہ رہتے تھے۔۔[1]

امراۃِ عزیز کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔لیکن یاد رکھیئے اس قرآنی قصے کا Focus اس قصے کے کرداروں کی ذاتی تفصیلات یا پس منظر پر نہیں ہے، بلکہ ان اخلاقی اور روحانی اسباق پر ہے جو ہمیں اس قصے کے کرداروں کے تجربات سے حاصل ہوتے ہیں۔

سورۃ یوسف میں مرکزی کردار حضرت یوسف علیہ السلام کا ہے اور آپ علیہ السلام کے مدمقابل ایک کردار عزیزِ مصر کی عورت کا بھی ہے جس نے اس کہانی میں اپنے مختلف اعمال کے ذریعے بھرپور حصہ ڈالا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جہاں قصہ یوسف علیہ السلام بڑی تفصیل سے بیان فرمایا ہے وہاں اس عورت کا نام نہیں لیا جس کے گھر میں یوسف علیہ السلام رہتے تھے۔قرآن کریم کا یہ خاص اسلوب ہے کہ وہ کسی واقعے کو بیان کرتے ہوئے غیر ضروری تفصیلات کا ذکر نہیں کرتا بلکہ واقعہ کے اہم حصوں کو ہی بیان کرتا ہے جو عبرت و نصیحت کے لئے ضروری ہیں۔تشریح و تفسیر کے لیے حدیثِ رسولِ اقدس کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔بالفرض قرآن کریم میں اتنی تفصیل ہوتی جتنی

---

[1] سورۃ یوسف 23:12

ذخیرہ احادیث میں ہے تو کتب حدیث کی طرح اس کی بھی بیسیوں جلدیں ہوتیں اور ایک مسلمان کے لئے قرآن پاک سفر و حضر میں اپنے پاس رکھنا ناممکن ہوتا۔ قرآن کے اس اسلوب کا اندازہ سورۃ یوسف سے ہی لگالیں کہ یوسف علیہ السلام کی ایک سو دس سالہ[1] طویل زندگی کے نشیب و فراز انتہائی جامعیت کے ساتھ صرف چند صفحات میں ہی بیان کر دیئے گئے ہیں۔

بہرکیف امراۃِ عزیز کے بارے میں مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ حق بات یہی ہے کہ ہم بھی اس عورت کا نام نہ لیں، خصوصاً جب ہمیں اس کا نام کسی صحیح ذریعے سے معلوم ہی نہیں اور نام لینے میں کسی عورت کی پردہ دری ہو رہی ہو۔ اس لیے بار بار زلیخا کہنے والے قرآن سے سبق سیکھیں اور اپنے اس رویے کو ترک کریں۔[2] اسی طرح احادیث مبارکہ میں بھی یہ نام بیان نہیں ہوا اور نہ ہی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی بابت دریافت فرمایا۔

چنانچہ قرآنی اسلوب کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کتاب میں، مؤلف نے بھی امراۃِ عزیز ہی لکھا ہے۔ ہاں البتہ جہاں مفسرین کے اقتباسات پیش کیے گئے ہیں وہاں وہی نام نقل کیا ہے جو ان کی تحریروں میں موجود ہے۔

امراۃِ العزیز کے کئی نام بیان ہوئے ہیں۔ حضرت مجاہد (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں راعیل بنت رعابیل تھا اور سدی (رحمۃ اللہ علیہ) نے کہا زلیخا بنت تملیخا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ راعیل اس کا نام تھا اور زلیخا لقب اور اس کے برعکس بھی کہا گیا ہے۔ اور مشہور زلیخا ہے۔ زلیخا کا نام رائل بنت رمل بھی آتا ہے۔ علامہ ابن کثیر کے مطابق زلیخا بادشاہ وقت ریان بن ولید کی بھانجی تھی۔[3]

---

[1] پیدائش 22:50

[2] عبدالسلام بھٹوی، تفسیر قرآن الکریم

[3] قاری محمد طیب، تفسیر برہان القرآن۔ ابوالحسنات قادری، تفسیر الحسنات۔ حافظ ابوالفداء دمشقی، ابن کثیر

یہودیوں کی مقدس کتاب تالمود میں اس عورت کا نام زلیخا (Zeliha) لکھا ہے اور یہیں سے یہ نام مسلمانوں کے ہاں مشہور ہوا ہے۔ان کی شہرت اور مقبولیت کے باوجود عزیز کی عورت کا نام یا شخصیت سے متعلق تفصیل بائبل یا اسلامی مذہبی متون میں بالکل بھی ذکر نہیں کیا گیا جبکہ بائبل میں اس کا نام پوٹیفار کی عورت کے طور پر کیا گیا ہے۔قرآن نے اس کو عزیز مصر کی بیوی کہا ہے۔ اس لیے جو لوگ اس خاتون کا نام "زلیخا" یا "راعیل" بتاتے ہیں، ان کے پاس محض اسرائیلی روایات ہیں، کوئی پختہ دلیل نہیں اور ان کا یہ عمل ستر کے بھی خلاف ہے۔ (تفسیر القرآن الکریم)

بعض کے مطابق اس کے باپ کا نام طیموس تھا۔قرآن نے عزیز مصر کے نام اور عہدے کا کہیں ذکر نہیں کیا، البتہ آگے چل کر مصر کی عورتوں نے "عزیز" کے لقب سے اس کا ذکر کیا ہے اور یہی لقب بعد میں یوسف علیہ السلام کے لیے بھی استعمال ہوا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص مصر کے بادشاہ کا کوئی وزیر یا بہت بڑے عہدے پر فائز شخص تھا۔

(اَوۡ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا) یا ہم اسے بیٹا بنا لیں: اس سے ظاہر ہے کہ ان کے ہاں اولاد نہیں تھی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق ماں باپ، بہن بھائی یا بیٹا بیٹی منہ کے کہہ دینے سے نہیں بنتے۔ دیکھیے سورۃ احزاب (4۔5) اور مجادلہ (2) ورنہ عزیز کی بیوی کا سگا بیٹا ہوتا تو وہ اس سے وہ معاملہ کبھی نہ کرتی جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ اکثر گھروں میں اللہ کی اس نافرمانی کے ایسے ہی نتائج رونما ہوتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے نہایت تاکید کے ساتھ اس سے منع فرمایا ہے۔[1]

مفسرین کرام اور بعض دیگر مصنفین نے عزیز مصر کی بیوی کے آبائی ملک اور اس کی

[1] حافظ عبدالسلام بھٹوی، تفسیر القرآن الکریم

شادی کے بارے میں عجیب وغریب داستانیں رقم کی ہیں۔

مفتی احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں:

عزیز مصر کی بیوی، زلیخا جوان اور بہت خوبصورت تھی۔اور بادشاہ مغرب کی بیٹی تھی، یوسف علیہ السلام کو خواب میں دیکھ کر آپ پر عاشق ہوگئی۔اسے خواب سے پتہ چلا کہ آپ سے ملاقات مصر میں ہوسکے گی اسی لیے اس نے اپنا نکاح عزیز مصر سے کیا تھا۔(روح البیان) اُس کے باپ کا نام طیموس تھا۔[1]

قرآن مجید یا ذخیرہ احادیث میں یہ نہیں بتایا گیا کہ امراۃ عزیز کی عمر کیا تھی اور نہ ہی یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر کیا تھی؟ یہاں بھی مفسرین نے محض اندازے یا عہد نامہ قدیم (Old Testament) کے حوالے سے حضرت یوسف علیہ السلام اور ملکہ مصر کی عمروں کا تعین کیا ہے۔اسی طرح قرآن نے حضرت یوسف علیہ السلام کی شادی اور اولاد کا بھی ذکر نہیں کیا۔

بہر کیف اتنا یقینی ہے کہ یہ عورت عمر میں یوسف علیہ السلام سے بڑی تھی جیسا کہ سورۃ یوسف میں عزیز مصر کا قول نقل کیا گیا ہے کہ ہم اسے بیٹا بنالیں۔

درحقیقت یوسف علیہ السلام اور عزیز مصر کی بیوی کی سرگزشت کو عبرت ونصیحت کے لیے قرآن کریم نے زندہ رکھا ہوا ہے۔اور یہ قیامت تک زندہ رہے گی۔لیکن جب سے یہ سرگزشت انسانی قلم کے ہتھے چڑھی ہے خاص طور پر فارسی ادب میں، تو اس میں اس حد تک مبالغہ آرائی کی گئی ہے کہ اس میں خرافات پیدا کردی گئی ہیں۔اس سے پہلے ہمارے بعض مفسرین نے بھی اس کے ساتھ انصاف نہیں کیا بلکہ غیر متعلقہ باتیں نقل کرتے چلے گئے۔جس سے ادباء، شعراء اور کہانی نویسوں کو گویا کہ ایک بنیاد فراہم ہوئی اور لکھنے کی کھلی چھٹی مل گئی۔

---

[1] مفتی احمد یار خان نعیمی، تفسیر نور العرفان

اس باب میں ایسی ایسی نئی چیزیں سامنے آئی ہیں کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔حال ہی میں سوشل میڈیا میں ایک تصویر شائع ہوئی،جس میں کہا گیا تھا کہ" ایک قدیم مصری مندر میں ایک مجسمہ ملا ہے جس میں اس مصری شخص کی بیوی کو مجسم کیا گیا ہے، جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پرورش کی تھی،اور پھر اس کو ان سے محبت ہوگئی۔لیکن ماہرین کے مطابق مصر نے اس نوعیت کی کسی آثار قدیمہ کی دریافت کا اعلان نہیں کیا ہے۔جہاں تک گردش کرنے والی تصویر کا تعلق ہے،اس سے پہلے یہ فیشن اور کپڑے کی ویب سائٹس پر شائع ہو چکی ہے۔

چنانچہ مصری ماہرین اور تاریخ دانوں کو مصر میں اس کردار کے کسی بھی مجسمے یا تصویر دریافت ہونے کی تردید کرنی پڑی۔

ایجنسی فرانس پریس کو انٹرویو دیتے ہوئے مصری مؤرخ،سوسائٹی فار ہسٹوریکل سٹڈیز کے رکن بسام الشماء نے کہا کہ مصر نے کسی بھی وقت کسی مصری دور میں زلیخا کی شخصیت کی دریافت کا اعلان نہیں کیا۔

انھوں نے مزید کہا کہ" کوئی ایسا قدیم مصری متن نہیں ملا جس میں زلیخا یا حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ ان کی کہانی،یا ان کے شوہر عزیز مصر کے بارے میں بتایا گیا ہو۔" الشماء نے مزید کہا" مصر میں زلیخا کے ظہور کا زمانہ آج تک معلوم نہیں ہے۔"

دوسری جانب مصر میں نوادرات کی سپریم کونسل کے سیکرٹری جنرل مصطفیٰ وزیری نے اس بات کی تردید کی کہ زلیخا کی شخصیت کی تصویر یا معلومات ملنے سے متعلق کوئی دریافت ہوئی ہے۔انھوں نے مزید کہا کہ مصر اپنی تمام آثار قدیمہ کی دریافتوں کا سرکاری طور پر پریس میں اعلان کرتا ہے۔ [1]

---

[1] www.https://annahar.com/arabic

# آزمائش کا نیا دور

(ترجمہ آیت) اس عورت نے جس کے گھر میں یوسف (علیہ السلام) تھے، یوسف (علیہ السلام) کو بہلانا پھسلانا شروع کیا کہ وہ اپنے نفس کی نگرانی چھوڑ دے اور دروازہ بند کر کے کہنے لگی لو آجاؤ، یوسف نے کہا اللہ کی پناہ! وہ میرا رب، مجھے اس نے بہت اچھی طرح رکھا ہے۔ بے انصافی کرنے والوں کا بھلا نہیں ہوتا۔[1]

مولانا ڈاکٹر اسلم صدیقی لکھتے ہیں:

''حضرت یوسف علیہ السلام شفقتِ پدری کی ٹھنڈی چھاؤں میں زندگی گزار رہے تھے کہ بھائیوں کے حسد نے انھیں کنویں تک پہنچایا۔ وہاں سے اللہ تعالیٰ کی قدرت نے دستگیری کی تو بکتے بکاتے مصر پہنچ گئے۔ یہ پہلی ابتلاء تھی جس میں حضرت یوسف علیہ السلام کو مبتلا کیا گیا اور آپ اس میں نہایت کامیابی اور کامرانی کے ساتھ گزر گئے۔ مصر میں اللہ تعالیٰ نے ایک عافیت کدہ دیا، ہر طرح کی سہولتیں بہم پہنچائیں، ایسی ایسی دنیاوی نعمتوں سے شاد فرمایا جن کا پہلے کبھی تصور بھی نہیں ہوا تھا لیکن یہیں سے دوسری آزمائش نکلی کہ عزیز مصر کی بیوی جسے اس کے شوہر نے حسن سلوک کی ترغیب دی تھی اور یہ امید دلائی تھی کہ یہ لڑکا ممکن ہے کل کو ہمارا بیٹا

[1] سورۃ یوسف 23:12

ثابت ہو۔ لیکن اس کی جوانی کے ناجائز جذبات نے بالکل ایک دوسرا رخ اختیار کرلیا، جسے ماں کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے تھا اسے عاشق ناشاد کی نگاہ سے دیکھنا شروع کر دیا ..... تو ایک دن بے صبر ہو کر اس نے آخری اقدام کا فیصلہ کرلیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی خواب گاہ میں بلایا، وہ حکم کے پابند پہنچ گئے، انھیں ایک جگہ ٹھہرا کر خواب گاہ میں کھلنے والے سارے دروازے مغلق کر دیئے اور کہا هَيْتَ لَكَ ..... حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی واضح روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں اسی طرح سکھایا تھا۔ اس کا معنی ہے، آجا۔ یہ وہ آخری کلمہ ہے جس کے بعد فاصلے مٹ جاتے ہیں۔ یہ گناہ کی انتہائی دعوت تھی"۔.....[1]

مولانا عبدالکریم اثری لکھتے ہیں:

"پچھلی آزمائش یوسف علیہ السلام کے ذہن و دماغ کی آزمائش تھی اور اب آزمائش جذبات کی شروع ہوگئی اور انسان کے لیے سب سے بڑی آزمائش جذبات ہی کی آزمائش ہے بلاشبہ وہ سمندر کی موجوں سے ہراساں نہیں ہوتا، پہاڑ کی چٹانوں سے نہیں گھبراتا، آسمان کی بجلیوں سے نہیں لرزتا، درندوں کے مقابلہ سے منہ نہیں موڑتا، تلواروں کے سائے میں کھیلنے لگتا ہے لیکن نفس کی ایک چھوٹی سی ترغیب اور جذبات کی ایک ادنیٰ سی کشش کا مقابلہ نہیں کرسکتا، لیکن یوسف علیہ السلام کی سیرت کی چٹان یہاں بھی متزلزل نہ ہوسکی۔ ان کی بے داغ فضیلت پر نفس انسانی کا سب سے بڑا فتنہ بھی دھبہ نہ لگا سکا۔ قرآن کریم نے جو لفظ اختیار کیے ہیں ان سے یوسف علیہ السلام کے ارادہ و عصمت کی مضبوطی پر کافی شہادت ملتی ہے کیونکہ "وَرَاوَدَتْهُ"[2] نے یہ بتایا کہ اس عورت کا ارادہ یوسف علیہ السلام کے ارادہ کے خلاف تھا"۔

---

[1] مولانا ڈاکٹر محمد اسلم صدیقی، تفسیر روح القرآن

[2] سورۃ یوسف 23:12

''یہ مسئلہ نفس انسانی کا اندرونی مسئلہ ہے اس لیے کسی سے پوشیدہ نہیں کہ ایسا معاملہ ایک دو دن میں رونما نہیں ہوتا اس لیے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ عزیز کی بیوی آپ کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو چکی تھی۔ لیکن اس کے لیے یوسف علیہ السلام جیسے پاکباز جوان سے یکبارگی اظہار مدعا کرنا آسان نہ تھا اس نے نسوانی فطرت کے مطابق انہیں اپنا صید زبوں بنانے کے لیے سینکڑوں جتن کیے ہوں گے اور آپ سے بے تکلف ہونے کی ہر ممکن کوشش کی ہو گی لیکن جب اس صالح نوجوان کی بے نیازیوں نے اس کے تمام حیلوں کو ناکام بنا دیا تو اس نے یہ آخری قدم اٹھایا کہ شاید بے قابو ہو کر بات مان جائے''۔[1]

''بعض مفسرین سدی اور ابن اسحاق وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ اس خلوت میں زلیخا نے یوسف علیہ السلام کو مائل کرنے کے لیے ان کے حسن و جمال کی تعریف شروع کی کہا کہ تمہارے بال کس قدر حسین ہیں یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ بال موت کے بعد سب سے پہلے میرے جسم سے علیحدہ ہو جائیں گے پھر کہا تمہاری آنکھیں کتنی حسین ہیں تو فرمایا موت کے بعد یہ سب پانی ہو کر میرے چہرے پر بہہ جائیں گی پھر کہا تمہارا چہرہ کتنا حسین ہے تو فرمایا کہ یہ سب مٹی کی غذا ہے[2] اللہ تعالیٰ نے فکر آخرت آپ پر اس طرح مسلط کر دی کہ نوجوانی کے عالم میں دنیا کی ساری لذتیں ان کے سامنے گرد ہو گئیں صحیح ہے کہ فکر آخرت ہی وہ چیز ہے جو انسان کو ہر جگہ ہر شر سے محفوظ رکھ سکتی ہے''[3]

وَقَالَتۡ هَيۡتَ لَكَ ۔اور یہ آخری واضح اور علانیہ دعوت کسی عورت کی طرف سے پہلی

---

[1] عبدالکریم اثری، تفسیر البیان

[2] یہ بات بہرحال ناقابلِ فہم ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کسی نامحرم عورت سے اس طرح مکالمہ کریں۔ مزید برآں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کے جسموں کو زمین پر حرام کر دیا ہے۔

[3] مفتی محمد شفیع، معارف القرآن

مرتبہ نہیں ہوتی۔ یہ بڑی تمہیدات کے بعد ہوتی ہے۔ اگر عورت جسمانی خواہش کے اعتبار سے مجبور نہ ہو جائے تو ایسی دعوت وہ ہر گز نہیں دیتی۔ حضرت یوسف علیہ السلام چونکہ اس کے گھر میں بھی رہے تھے، ان کی جسمانی قوت آہستہ آہستہ مکمل ہوئی تھی اور عورت کی خواہشات (ھیت لك) کہنے سے قبل کئی مراحل سے گزری ہوں گی اور اس آخری مرحلے سے پہلے اس کی کئی اداؤں کا مقابلہ حضرت یوسف علیہ السلام نے کیا ہو گا"۔[1]

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ[2] "کی تفسیر میں بالاتفاق سب مفسرین نے یہی لکھا ہے کہ اس عورت یعنی عزیز مصر کی بیوی زلیخا نے فکر کی حضرت یوسف علیہ السلام کو پھانسنے کی ان سے اپنی بری غرض حاصل کرنے کی لیکن "وَهَمَّ بِهَا" یعنی حضرت یوسف علیہ السلام نے اس عورت کے متعلق کس بات کی فکر کی یا ارادہ کیا؟ کسی نے لکھا ہے کہ آپ نے اس عورت کے مارنے اور دفع کرنے کا ارادہ کیا۔ کسی نے لکھا ہے کہ آپ نے بھاگنے اور اس کے جال سے نکلنے کا ارادہ کیا۔ کسی نے لکھا ہے کہ آپ نے اپنے نفس سے اس امر قبیح کے دفعیہ کا ارادہ کیا۔[3]

اس سلسلہ میں حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں۔ "وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا"[4] اور اس "ھم" کی کوئی تعیین نہیں فرمائی۔ اس میں بظاہر اشتراک معلوم ہوتا ہے لیکن وہ اشتراک صرف لفظ میں ہے نہ کہ معنی میں۔ اس نے یہ ارادہ کیا کہ یوسف علیہ السلام کو اپنے مطلب پر مجبور کرے اور یوسف علیہ السلام نے یہ ارادہ کیا کہ اس کے دفعہ کرنے میں غالب آجائیں۔ پس اشتراک طلب قہر اور غلبہ میں ہے مگر ہر ایک کا مقصد اور

---

[1] مفتی محمد شفیع، معارف القرآن

[2] سورۃ یوسف 24:12

[3] محمد اسحق، تفسیر درس قرآن

[4] عبد الکریم اثری، تفسیر البیان

مطلب الگ الگ اور جدا جدا ہے۔اور فرمایا کہ دلیل اس کی یہ ہے کہ خود امراۃ العزیز نے اقرار کیا "الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ"۔[1] (یعنی عزیز مصر کی بیوی نے کہا حق بات سب کے سامنے بالکل ظاہر ہوگئی میں نے یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا) اور یوسف علیہ السلام کے قصہ میں کسی جگہ قرآن میں یہ نہیں آیا کہ یوسف علیہ السلام نے اس عورت سے اپنی خواہش ظاہر کی۔اور یہ فرمایا یوسف علیہ السلام نے کہ میں کیسے اس کا ارادہ کرتا اللہ نے مجھے اپنی برہان دکھائی"۔[2]

جس گھر میں بندہ رہ رہا ہو اور اس وقت کے قانون کے مطابق بظاہر غلام بن کر آیا ہو، اس کے لیے گھر والوں کی بات نہ ماننا یا ان کی بات کو نظرانداز کرنا کتنا مشکل کام ہے؟ جب عزیز مصر کی بیوی نے تمام دروازے بند کر لیے اور یوسف علیہ السلام سے برائی کا مطالبہ کر دیا تو یوسف علیہ السلام کے لیے وہ کتنی مشکل گھڑی تھی۔اس کے باوجود یوسف علیہ السلام کا زلیخا کو خود سے دور کرنا آپکے عظیم کردار کی اعلیٰ دلیل ہے۔[3]

امیر محمد اکرم اعوان لکھتے ہیں:

پتہ نہیں کیوں علماء نے یہ بحث فرمائی ہے اور "ھم" کے مختلف درجے مقرر کرتے رہے ہیں۔میرے خیال کے مطابق اس سارے اہتمام کی یہاں ضرورت ہی پیش نہیں آتی اس لیے کہ رائے کی خطا اور شے ہے اور اخلاقیات یا کردار میں زناء جیسے گھناؤنے فعل کا خیال بھی نبی کی ذات کی طرف منسوب کرنا ممکن نہیں کہ انھوں نے پہلا جملہ ہی یہ ارشاد فرمایا

---

[1] سورۃ یوسف 51:12

[2] محمد اسحق، تفسیر درس قرآن

[3] قاری محمد طیّب، تفسیر برہان القرآن

معاذ اللہ یعنی اللہ کی پناہ گویا سن کر بھی تاب نہ لائے۔جب انھوں نے زلیخا کی حد سے بڑھتی ہوئی بے تابی دیکھی اور دیکھا کہ میری نصیحت کا بھی کوئی اثر نہیں ہو رہا تو دروازے کی طرف بھاگے جو سات تھے اور سات مقفل تھے مگر قدرت باری سے کھلتے چلے گئے۔[1]

اور بعض مفسرین نے جو اس بارے میں نازیبا واقعات نقل کیے ہیں وہ سب قطعاً غلط ہیں اور آیت کے سیاق وسباق کے بالکل خلاف ہیں کیونکہ قصہ کا تمام سیاق وسباق حضرت یوسف علیہ السلام کی مدح اور منقبت اور ان کی کمال عفت وعصمت کے بیان سے بھرا پڑا ہے اور قرآن کریم کی آیات خود اس کی تکذیب وتردید کے لیے کافی ہیں۔جمہور امت اس پر متفق ہیں کہ انبیاء (علیہم السلام) صغیرہ اور کبیرہ ہر طرح کے گناہ سے معصوم ہوتے ہیں۔[2]

سیف اللہ خالد لکھتے ہیں:

یہاں اللہ تعالیٰ نے عزیز مصر کی بیوی کہنے کے بجائے یہ فرمایا کہ یوسف علیہ السلام کو گناہ پر اس عورت نے اکسایا جس کے گھر میں وہ رہتے تھے، تاکہ اندازہ لگایا جاسکے کہ یوسف علیہ السلام کے لیے وہ کتنی مشکل گھڑی تھی اور وہ عفت و پاکدامنی کی کس بلندی کو چھو رہے تھے کہ اس گھر میں رہنے کی وجہ سے عزیز مصر کی بیوی کا بار بار سامنا ہوتا رہا ہوگا اور وہ اپنے حسن و جمال کا مظاہرہ کرتی رہی ہوگی، تاکہ انھیں اپنی ذات میں دلچسپی لینے پر اُکسائے، لیکن یوسف علیہ السلام پر ان تمام ہتھکنڈوں کا رائی کے دانے کے برابر بھی اثر نہیں ہوا۔کہا جاتا ہے کہ اس نے ایسا کرنے سے پہلے شدت خوف اور حد درجہ احتیاط کی وجہ سے سات دروازے بند کیے، تاکہ وہاں تک کسی کے پہنچنے کا گمان بھی نہ ہو سکے۔یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کی یہ بھی ایک عظیم

---

[1] امیر محمد اکرم اعوان، تفسیر اسرار التنزیل

[2] عبد القیوم مہاجر مدنی تفسیر، فوائد القرآن

دلیل ہے کہ عزیز مصر کی بیوی نے انسانوں سے خوف کھانے کا ایک بھی عذر باقی نہیں رکھا تھا، اس کے باوجود ان کے دل میں گناہ کا خیال تک نہیں گزرا۔ یوسف علیہ السلام نے اس کے جواب میں کہا کہ میں تمہاری اس دعوت گناہ سے بچنے کے لیے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، اس لیے کہ یہ تو زنا، جرم عظیم، امانت میں خیانت اور محسن کشی ہے۔[1]

تیرا خاوند، عزیز مصر میرا مربی اور محسن ہے جس نے مجھے خرید کر اپنے گھر میں جگہ دی ہے اور عزت سے رکھا ہے مجھ پر احسان کیا ہے، اس کے احسان کے بدلہ میں، میں اس کے ساتھ برائی نہیں کر سکتا۔ تورات میں بھی ہے کہ: یوسف علیہ السلام کو عزیز مصر نے اپنے گھر میں رکھا تھا اور اپنے گھر کا مختار بنا کر اپنا سب کچھ اسے سونپ دیا تھا (پیدائش 39:3،4) مگر عزیز مصر کی بیوی پر اس نصیحت کا کوئی اثر نہ ہوا، اور وہ اپنے ارادہ کو عملی شکل دینے پر اصرار کرتی رہی۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ زلیخا گھر کے کونے میں پڑے یاقوت اور جوہرات سے ڈھکے بت کی طرف گئی اور اسے کپڑے کے ساتھ ڈھانپ دیا تو آپ (علیہ السلام) نے کہا: تو کیا کر رہی ہے؟ اس نے کہا: مجھے اپنے اس معبود سے حیاء آتی ہے کہ مجھے اس صورت میں دیکھ لے، تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: میں زیادہ اس بات کا حقدار ہوں کہ میں اللہ سے حیاء کروں۔[2]

اہل علم فرماتے ہیں کہ اس وقت یوسف علیہ السلام کو گناہ پر آمادہ کرنے والی ہر چیز موجود تھی اور روکنے والی دنیا کی کوئی چیز نہ تھی۔ یوسف علیہ السلام کی صحت، جوانی، قوت، خلوت، فریق ثانی کا حسن، پیش کش، اس پر اصرار، غرض ہر چیز ہی بہکا دینے والی تھی، جب کہ انسان کو روکنے والی چیز اس

---

[1] ابونعمان سیف اللہ خالد، تفسیر دعوت القرآن

[2] ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی، تفسیر قرطبی

کی اپنی جسمانی یا جنسی کمزوری ہو سکتی ہے، یا فریق ثانی کے حسن کی کمی، یا اس کی طرف سے انکار یا مزاحمت کا امکان یا راز فاش ہونے کا خطرہ یا اپنے خاندان، قوم اور لوگوں میں رسوائی کا خوف، ان میں سے کوئی چیز ان کی راہ میں رکاوٹ نہیں تھی۔ اٹھتی جوانی تھی، بے مثال حسن تھا، دروازے بند تھے، دوسری طرف سے پیش کش بلکہ درخواست اور اس پر اصرار تھا، اپنے وطن سے دور تھے کہ قبیلے یا قوم میں رسوائی کا ڈر ہو۔ یہاں کتنے ہی لوگ باہر کے ملکوں میں جاتے ہیں تو اپنوں سے دور ہونے کی وجہ سے بہک جاتے ہیں، پھر دروازے خوب بند تھے، راز فاش ہونے کی کوئی صورت ہی نہ تھی اور جب مالکہ خود کہہ رہی ہو تو سزا کا کیا خوف؟[1]

عبدالکریم اثری لکھتے ہیں:

(اس باب میں) اِنَّہٗ رَبِّیۡۤ[2] کے الفاظ نے (مفسرین کے درمیان) ایک نئی بحث چھیڑ دی کہ آیا یہ جملہ یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کے لیے استعمال کیا جس نے آپ کو بازار سے خریدا تھا اور ایک اچھا ٹھکانا مہیا کیا تھا اور عزت واحترام کے ساتھ رکھا تھا۔ اس لیے آپ نے گویا امراۃ العزیز کو یہ جواب دیا کہ دیکھو تیرا شوہر میرا آقا ہے اور وہ مجھ سے نہایت حسن وسلوک سے پیش آیا ہے کیا میں اس کے حسن وسلوک کا بدلہ یہ دوں کہ اس کی امانت میں خیانت کرنے لگوں؟ یا "اِنَّہٗ رَبِّیۡۤ" کہہ کر اللہ کی ذات مراد لی ہے اور اس کے متعلق یہ ارشاد فرمایا ہے کہ "اللہ کی پناہ، میرے رب نے تو مجھے اچھی منزلت بخشی اور میں یہ کام کروں! ایسے ظالم تو کبھی فلاح نہیں پایا کرتے۔" بلاشبہ ایک اللہ کے رسول ہونے والے شخص کے منہ سے "ربی" کے الفاظ سے مراد اللہ تعالیٰ ہی کی ذات لینا بہتر ہے اور اچھی جگہ دینا بھی یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کی

---

[1] عبدالسلام بھٹوی، تفسیر قرآن الکریم

[2] سورۃ یوسف 23:12

طرف منسوب نہیں کیا بلا شبہ وہ ایک واسطہ ہے لیکن آپ نے اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے جو حقیقی رب ہے یعنی مسبب الاسباب ہے کیونکہ عزیز مصر کے دل کو اللہ تعالیٰ نے ہی یوسف علیہ السلام کی عزت کی طرف پھیرا اور اس طرح جب "ربی" کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو عزیز مصر کی ناشکری اور ناقدری کا کوئی پہلو نہیں نکلتا اس لیے دونوں باتوں کی وضاحت کر دی ہے ہمارے دل کو پہلی صورت کی نسبت دوسری صورت زیادہ لگتی ہے لیکن جن مفسرین نے پہلی صورت کو اختیار کیا ہے ان کو بھی ہم غلط نہیں کہتے کہ یہ نظریہ کا ایک فرق ہے جس سے فی نفسہ حقیقت پر کچھ اثر نہیں پڑتا کہ ان کے خیال میں پہلی صورت موزوں ہے اور ہمارے خیال میں دوسری اور حقیقت حال اللہ کے سپرد ہے کہ وہی علام الغیوب ہے۔

غور کرو کہ یہ برائی ایسی برائی تھی کہ اسے برائی دکھلانے کے لیے کتنی ہی باتیں کی جا سکتی تھیں لیکن یوسف علیہ السلام کا ذہن اس بات کی طرف گیا اور اس کو قرآن کریم نے بھی نمایاں کر کے دکھایا اس لیے معلوم ہوا کہ ان کی سیرت کا اصل جوہر یہی ڈھونڈنا چاہیے کہ امانت داری اور راست بازی اور ادائے فرض کی روح اس طرح ان پر چھائی ہوئی تھی کہ ہر موقعہ پر سب سے پہلے وہی سامنے آتی تھی اور آیت کے آخری حصہ نے بھی کس خوبصورتی کے ساتھ اس حقیقت کا اعلان فرما دیا کہ "حد سے گزرنے والے کبھی فلاح نہیں پا سکتے۔"[1]

عبدالسلام بھٹوی لکھتے ہیں:

مفسرین کے نزدیک اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ[2] اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں اور مفسرین میں سے ہر ایک نے اپنے ذوق کے مطابق کسی ایک معنی کو ترجیح دی ہے۔ ایک تو

---

[1] عبدالکریم اثری، تفسیر عروۃ الوثقیٰ

[2] سورۃ یوسف 23:12

یہ کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، بیشک وہ اللہ میرا مالک ہے، اس نے میرا ٹھکانا اچھا بنایا، اس کی نافرمانی کر کے میں ظالموں میں شامل نہیں ہوسکتا۔ دوسرا معنی ہے کہ میں اس کام سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، تم اس عزیز مصر کی بیوی ہو جو میرا مالک ہے، میں اس کا غلام ہوں، اس نے میرے لیے رہنے کا ایسا اچھا انتظام کیا ہے، میں اپنے مالک کی خیانت کیسے کرسکتا ہوں، یہ تو سراسر ظلم ہے۔ پہلے معنی میں عزیز کی بیوی کو اللہ سے ڈرایا اور اس کے احسان یاد دلائے ہیں، دوسرے معنی میں اسے خاوند کی شرم دلائی ہے، شاید اس طرح ہی وہ باز آجائے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں معنی درست ہیں، دونوں بیک وقت مراد بھی ہوسکتے ہیں، مگر دوسرا معنی زیادہ قریب معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے رب کی تقدیر پر شاکر ہو کر اپنے آپ کو عزیز مصر کا غلام سمجھتے تھے اور ہر طرح اس کی خدمت اور اطاعت کرتے تھے۔ اسی لیے وہ اپنے مالک اور مربی کے احسان کا بدلہ اس پر ظلم کے ساتھ دینے کے لیے تیار نہ تھے.... مسلمانوں کے نسب کے محفوظ رہنے اور ان کے معاشرے کی پاکیزگی پر کفار کو بیحد حسد ہے۔ وہ اس شرف سے محروم ہو جانے کے بعد اب ہم میں بھی بے حیائی پھیلا کر ہمیں اس شرف سے محروم کرنا چاہتے ہیں۔ یوسف علیہ السلام کا طرز عمل اس معاملے میں ہمارے لیے بہترین چراغ راہ ہے۔[1]

پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

آپ کے جواب کے ہر لفظ سے پیغمبرانہ جلالت متانت اور تمکنت ظاہر ہو رہی ہے۔ پہلے فرمایا معاذ اللہ یعنی میرا معبود برحق اس فعل قبیح کو ناپسند کرتا ہے۔ میں ایسے جرم سے اس کی پناہ مانگتا ہوں۔ پھر فرمایا ”اِنَّهٗ رَبِّيْٓ“[2] تو عزیز مصر کی آبرو ہے۔ جس نے مجھ پر اس

---

[1] عبدالسلام بھٹوی، تفسیر قرآن الکریم

[2] سورۃ یوسف 23:12

غریب الوطنی میں اتنا احسان اور مروت کی ہے۔ بھلا میں ایسے محسن کی آبرو کو کیسے داغدار کر سکتا ہوں۔ آخر میں سنن الہیہ میں سے مکافاتِ عمل کے اٹل قانون کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ جو شخص اپنے محسن کے ساتھ برائی کرتا ہے وہ ظالم ہے اور ظلم کرنے والا کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ کتنے حکیمانہ اور باوقار انداز میں زلیخا کو بتا دیا کہ یہ سودا بڑا مہنگا ہے۔ یوسف علیہ السلام اس کے لیے ہرگز تیار نہیں۔[1]

''یعنی تمہارا شوہر میرا آقا ہے۔ اس کے لیے اصل میں لفظ 'رَبِّیْ' استعمال ہوا ہے۔ یہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے لیے آتا ہے، اسی طرح مالک اور آقا کے لیے بھی آتا ہے۔ عربی زبان میں 'رب المال'، 'رب البیت' اور 'رب الدار' وغیرہ کی ترکیبیں عام استعمال ہوتی ہیں۔ زبان میں ایسے الفاظ کی مثالیں کم نہیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں اور بندوں کے لیے بھی، لیکن دونوں صورتوں میں ان کے مفہوم بالکل الگ الگ ہوتے ہیں''۔

امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

''حضرت یوسف علیہ السلام کے اس فقرے پر غور فرمائیے تو معلوم ہوگا کہ اس میں بڑی نفسیاتی بلاغت ہے۔ جذبات سے اندھی اور خدا اور آخرت سے ایک بےخبر عورت کے سامنے خدا اور آخرت کا وعظ، ظاہر ہے کہ بھینس کے آگے بین بجانے کے مترادف تھا۔ اس کے ہیجان کو اگر کچھ ٹھنڈا کیا جاسکتا تھا تو اسی فقرے سے کیا جاسکتا تھا جو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا۔ اس میں اگر شرافت کی رمق بھی ہوتی تو وہ ضرور سوچتی کہ ایک یہ نوجوان ہے جو اپنے آقا کی معمولی سی مہربانی سے اتنا متاثر اور اس کی آقائی کا اس کو اتنا اہتمام و لحاظ ہے کہ میری بے محابا

---

[1] پیر کرم شاہ الازہری، ضیاالقرآن

دعوت کے باوجود اس کے ساتھ کوئی بے وفائی کرنا اپنی دنیا اور عاقبت، دونوں کی بربادی تصور کرتا ہے اور ایک میں ہوں کہ اس کی بیوی ہوں، میں نے اپنے آپ کو اس کی زوجیت میں دیا ہے، اپنی عصمت کا اس کو مالک بنایا ہے، اس کے گھر کی ملکہ بنی بیٹھی ہوں، اس کے مال پر مالکانہ متصرف ہوں، لیکن اس کے ساتھ وفاداری کا یہ حال ہے کہ اس کے زرخرید غلام کو اس طرح ہوس سے اندھی ہو کر دعوت عشق دے رہی ہوں۔تدبر قرآن"[1]

حضرت یوسف علیہ السلام کو جس چیز نے برائی سے روکا وہ حقیقتہً اللہ کا ڈر تھا۔مگر زلیخا کے لیے خدا کا حوالہ دینا اس وقت بے اثر رہتا۔ یہ موقع اعلان حق کا نہیں تھا بلکہ ایک نازک صورت حال سے اپنے آپ کو بچانے کا تھا اسی نزاکت کی بناء پر آپ نے زلیخا کو اس کے شوہر کا حوالہ دیا۔آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ میرا آقا ہے۔اس نے مجھے نہایت عزت کے ساتھ اپنے گھر میں رکھا ہے۔پھر کیسے ممکن ہے کہ میں اپنے محسن کی ناموس پر حملہ کروں۔[2]

مولانا محمد ادریس کاندھلوی لکھتے ہیں:

اس آیت میں یوسف علیہ السلام کی عصمت کے دلائل ہیں، معلوم ہوا کہ یوسف علیہ السلام ہر گناہ سے پاک اور بری رہے۔یہی وجہ ہے کہ اس واقعہ میں یوسف علیہ السلام سے کوئی کلمہ توبہ اور استغفار کا منقول نہیں یہ ناممکن ہے کہ نبی سے کوئی امر خلاف اولیٰ سرزد ہو اور وہ توبہ اور استغفار نہ کرے اور لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ۔ کے بعد حق تعالیٰ شانہ کا یہ فرمانا لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ[3] تا کہ ہم یوسف علیہ السلام سے سوء اور فحشاء کو دور رکھیں یہ اس امر کی دلیل ہے کہ سوء اور فحشاء یوسف علیہ السلام کی طرف آنا چاہتے تھے اللہ نے سوء کو دور رکھا اور یوسف علیہ السلام کے

---

[1] امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن

[2] وحید الدین خان، تفسیر تذکیر القرآن

[3] سورۃ یوسف 24:12

پاس نہ آنے دیا۔۔۔دونوں کی طلب مختلف تھی۔طلب اور خواہش میں دونوں کا مقابلہ شروع ہوا۔یوسف علیہ السلام کی طلب اور تھی اور زلیخا کی طلب اور تھی۔کہ امرأت العزیز اور یوسف علیہ السلام دونوں کا فکر اور ھم بالکل ایک دوسرے سے مختلف اور جدا تھا ہر ایک کو اپنی اپنی فکر تھی۔امرأت العزیز کو اپنے مطلب کی فکر تھی اور یوسف علیہ السلام صدیق کو اس کے دفعیہ کا فکر تھا۔

نیز انبیاء کرام سے اگر ذرا بھی بھول چوک ہو جاتی ہے تو اس کو اتنا عظیم سمجھتے ہیں کہ سالہا سال تک توبہ واستغفار میں لگے رہتے ہیں اور اس واقعہ میں حضرت یوسف علیہ السلام سے ایک لفظ توبہ استغفار کا منقول نہیں ہوا کیونکہ اس واقعہ میں ان سے کوئی غلطی اور لغزش ظہور میں نہیں آئی۔

ابن جوزی (رحمۃ اللہ علیہ) نے نقل کیا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے اس کے مارنے اور دفع کرنے کا ارادہ فرمایا۔مگر اللہ کریم کی برہان کو دیکھ کر خیال آیا کہ مارنا مناسب نہیں ورنہ زلیخا ان پر یہ الزام قائم کرے گی کہ اس نے مجھے اس لیے مارا تھا۔ (دیکھو زاد المسیر، ص206 جلد 4) [1]

اسی کشمکش میں حضرت یوسف علیہ السلام کمرے سے باہر نکلنے کے لیے بہت تیزی سے دروازے کی طرف بھاگے اور عورت بھی ان کے پیچھے بھاگی اور دروازے کے پاس دونوں کو اس کا شوہر مل گیا۔کہنے لگی اسے جیل خانہ بھیجا جائے یا اسے سخت سزا دی جائے۔

قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے:

(ترجمہ) دونوں دروازے کی طرف دوڑے اور اس عورت نے یوسف کا کرتا پیچھے کی طرف سے کھینچ کر پھاڑ ڈالا اور دروازے کے پاس اس کا شوہر دونوں کو مل گیا تو کہنے لگی جو شخص تیری بیوی کے ساتھ برا ارادہ کرے بس اس کی سزا یہی ہے کہ اسے قید کر دیا جائے یا

---

[1] محمد ادریس کاندھلوی، معارف القرآن

اور کوئی دردناک سزا دی جائے۔[1]

یوسف علیہ السلام نے کہا اسی نے مجھ کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا۔[2]

حضرت یوسف علیہ السلام نے نہایت بے باکی سے بے دھڑک اور دوٹوک الفاظ میں کہا: یہ مجھے اپنی طرف راغب کر رہی تھی جبکہ اس عورت نے مبہم اور مجمل کلام کیا اور کہا: اس شخص کی کیا سزا ہونی چاہیے جو آپ کی اہلیہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے کیونکہ جو مجرم ہوتا ہے وہ بہر حال دل میں ڈرتا ہے۔ (زاد المسیر، ج4،ص311)[3]

عزیزِ مصر کیلئے یہ بڑی مشکل گھڑی تھی کہ وہ کس کو سچا جانے اور کس کو جھوٹا؟ کیونکہ وہ آپ علیہ السلام کی پاکدامنی اور راستبازی کو بخوبی جانتا تھا، یوسف علیہ السلام نے اس کے محل میں ایک زمانہ گزارا تھا۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی شان ہے، ایک طرف حضرت یوسف علیہ السلام کی عجیب وغریب انداز میں مدد فرمائی جا رہی ہے، دوسری طرف عزیزِ مصر کی بیوی نے ان کے لیے ایک نیا امتحان کھڑا کر دیا ہے۔

---

[1] سورۃ یوسف 25:12

آیت کے الفاظ [وَّ اَلۡفَیَا سَیِّدَهَا لَدَا الۡبَابِ] پر غور فرمایئے، جن سے معلوم ہوا کہ خاوند کا درجہ زیادہ ہے، اس کو بیوی پر فوقیت حاصل ہے، خاوند بیوی کا آقا و سردار ہے، بیوی خاوند کے ماتحت ہے، اسی لیے یہاں خاوند کی بجائے سید کہہ کر (اختیارات میں) مرد کی عورت پر برتری اور حاکمیت واضح کی گئی ہے۔ آیت اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوۡنَ عَلَی النِّسَآءِ (سورۃ النساء 34:4) کے تحت بھی علماء نے یہی لکھا ہے کہ مرد عورتوں پر نگران ہیں یعنی مرد گھر کے ادارے اور خاندان کا سربراہ ہے۔ نبوت بھی ہمیشہ مردوں میں رہی ہے۔ تاہم واضح ہو کہ تقویٰ، انسانی شرف اور اجر و ثواب کے لحاظ سے مسلمان مرد اور عورت برابر ہیں۔

[2] سورۃ یوسف 26:12

[3] غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن

# برہان کیا تھی؟

(ترجمہ) اس عورت نے یوسف (علیہ السلام) کی طرف کا قصد کیا اور یوسف (علیہ السلام) اس کا قصد کرتے اگر وہ اپنے پروردگار کی دلیل نہ دیکھتے۔ یونہی ہوا کہ ہم اس سے برائی اور بے حیائی دور کر دیں۔ بیشک وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھا۔[1]

"برہان کے معنی اور مفہوم متعین کرنے میں مفسرین کرام کے مختلف اقوال پائے جاتے ہیں:

(1) حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما)، حسن بصری، سعید بن جبیر (رحمہما اللہ)، وغیرھم کے نزدیک برہان یہ تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد گرامی حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت کو دیکھا تھا۔ دانتوں میں انگلی دبائے ہوئے۔ امام ولی اللہ بھی یہی کہتے ہیں۔

(2) آقا عزیز مصر کی خیالی صورت سامنے آئی تھی، جب یوسف علیہ السلام نے سر اوپر اٹھایا تو چھت کی دیوار پر یہ لکھا ہوا دیکھا۔ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا (الاسراء 32:17) (ابن کثیر)

---

[1] سورۃ یوسف 24:12

(3) حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ برہان سے مراد نبوت ہے جو اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کے سینہ میں ودیعت کی تھی وہی اس برائی کے درمیان حائل ہوئی۔

(4) حضرت امام شیخ ابومنصور ماتریدی نے کہا جب کہ یوسف علیہ السلام کا قصد اس عورت کے ساتھ دل میں کھٹکے کا قصد تھا اور اس میں بندہ کا کوئی اختیار نہیں ہوتا جو کھٹکا اس کے دل میں پیدا ہوتا ہے اور اس پر اس بندہ سے کوئی مواخذہ بھی نہیں ہوتا، یہ غیر اختیاری ہوتا ہے۔

(5) بعض مفسرین نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ برھان ربہ سے مراد حرمت زنا کا معاملہ جو یوسف علیہ السلام کے دل و دماغ میں اللہ تعالیٰ نے مرتکز کر دیا تھا کہ یہ ایک فعل شنیع اور حرکت قبیح ہے جس کا ارتکاب کرنے والا ظالم اور بدکردار انسان ہی ہوسکتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام جو نور کا پیکر اور خوبصورت ترین شخصیت کے مالک تھے۔ پاکیزہ ترین سیرت اور نزاہت اور طہارت کے ساتھ متصف تھے۔ اور ان کی اعلیٰ سیرت کا یہ مقام و مرتبہ بہت بلند تھا اللہ تعالیٰ نے انھیں عصمت و حفاظت کے اس بلند ترین مقام پر فائز فرمایا تھا جو تمام انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ ترغیبات و تحریصات و تخویفات و تلبیات کا کوئی شدید طوفان بھی اس ناقابل تسخیر چٹان کو اپنے مقام سے ہلا نہ سکا۔ انسانی سیرت و کردار کا جو اعلیٰ و ارفع مقام حضرت یوسف علیہ السلام نے پیش کیا، اور اس راستہ کی تمام مشکلات و مصائب کو جس صبر و استقامت سے برداشت کیا وہ ہر انسان کے بس کا روغ نہیں۔ [1]

مختصراً یہ کہ اس باب میں بعض مفسرین کرام نے اتنی عجیب و غریب باتیں لکھی ہیں کہ بقول قاضی سلیمان منصور پوری: جو عقل و شرع اور اصول قرآن کے بالکل مخالف ہیں۔ ان کا ذکر کرنا بھی جائز نہیں۔

---

[1] صوفی عبدالرحمن سواتی، معالم القرآن

قاضی صاحب لکھتے ہیں:

واضح ہو کہ بُرْهَانَ رَبِّهٖ کی تفسیر میں ابن کعب قرظی کی روایات میں جتنی باتیں بتائی گئی ہیں۔ صورت یعقوب علیہ السلام یا صوت جبرائیل علیہ السلام۔ یا کوئی اور ندا۔ یا آیات قرآنیہ میں سے کسی آیت کا دیوار پر یا چھت پر لکھا جانا، وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب روایات اصول محدثانہ کے اعتبار سے واہی اور بے بنیاد ہیں۔ محدثین کے اصول کے مطابق ان باتوں کی صحت کبھی بھی تسلیم نہیں کی گئی۔ اور ان میں اس قدر تضاد و تناقض باہمی موجود ہے کہ ان کی تطبیق بھی نہیں ہو سکتی اور صحیح قول امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کا ہے کہ بُرہان رب سے مراد نبوت ہے۔[1] اور یہی صحیح ہے۔ کیونکہ عصمت انبیاء لازم ہے۔

[1] قاضی سلیمان منصور پوری، الجمال والکمال، ص 86

# یوسف علیہ السلام کی سچائی کی گواہی کس نے دی؟

(ترجمہ آیت) یوسف (علیہ السلام) نے کہا یہ عورت ہی مجھے پھسلا رہی تھی اور عورت کے قبیلے کے ہی ایک شخص نے گواہی دی، کہ اگر اس کا کرتہ آگے سے پھٹا ہوا ہو تو عورت سچی ہے اور یوسف (علیہ السلام) جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے۔ اور اگر اس کا کرتہ پیچھے کی جانب سے پھاڑا گیا ہے تو عورت جھوٹی ہے اور یوسف (علیہ السلام) سچوں میں سے ہے۔ [1]

جیسا کہ آیت سے ظاہر ہے، اسی دوران ایک گواہی دینے والے نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی کی گواہی دی۔ چنانچہ عزیز مصر عجز و انکساری اور معذرت خواہانہ لہجے میں کہنے لگا یوسف درگزر کریں۔

یہ گواہی دینے والا کون تھا؟

بعض کے نزدیک وہ شیر خوار بچہ تھا، بعض کے نزدیک وہ بچہ نہیں تھا البتہ ایک حکیم

---

[1] سورۃ یوسف 12:26-27

آدمی تھا۔ امام سدی فرماتے ہیں وہ زلیخا کا چچازاد بھائی تھا[1] بعض کے نزدیک گواہ بڑا آدمی تھا جس کے منہ پر داڑھی تھی یہ عزیز مصر کا خاص آدمی تھا۔ بعض کے نزدیک وہ زلیخا کی خالہ کا بیٹا تھا۔[2]

حافظ عبدالسلام لکھتے ہیں:

''مستدرک حاکم اور بعض دوسری کتب میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ ان چار بچوں میں سے ایک تھا جنہوں نے گود میں کلام کیا۔ ایک فرعون کی بیٹی کی کنگھی کرنے والی عورت کا بچہ، دوسرا یوسف علیہ السلام کا گواہ، تیسرا جریج کا گواہ اور چوتھے بچے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام) اس حدیث کو بہت سے اصحاب نے صحیح یا حسن کہا ہے، مگر بہت سے اصحاب نے ضعیف بھی کہا ہے۔ جن میں سے شیخ ناصر الدین البانی (رحمۃ اللہ علیہ) سر فہرست ہیں۔ دیکھیے: "سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ (۲۷۱/۲، ۸۸۰ ")..... حافظ ابن قیم (رحمۃ اللہ علیہ) نے بھی "الجواب الکافی" میں اسے ضعیف کہا ہے میری دانست میں یہی بات درست ہے کہ وہ ایک سمجھ دار آدمی تھا، کیونکہ خود ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ثقہ راویوں کے ساتھ تفسیر طبری میں ہے کہ وہ شاہد داڑھی والا مرد تھا۔ اگر ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان موجود ہوتا تو وہ کبھی اس کے خلاف نہ فرماتے، جب کہ ان کا یہ قول صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے۔''[3] لیکن صحیحین میں تین شیر خوار بچوں کے بات کرنے کی حدیث ہے جن میں یہ چوتھا نہیں ہے جس کا ذکر اس مقام پر کیا جاتا ہے۔[4]

---

[1] ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبی، تفسیر قرطبی

[2] حافظ عمادالدین ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر

[3] حافظ عبدالسلام بھٹوی، تفسیر القرآن الکریم

[4] صلاح الدین یوسف، تفسیر مکہ

عبدالکریم اثری لکھتے ہیں:

مفسرین نے اس کی تحقیق میں بہت کچھ لکھا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ وہ جیسا کچھ بھی تھا قرآن کریم کی تصریح کے مطابق "من اھلھا" اس عورت ہی کے عزیزوں میں سے کوئی شخص تھا۔ قرآن کریم نے اس کی وضاحت نہیں کی، کیوں؟ اس لیے کہ اس کی وضاحت کی ضرورت نہ تھی لیکن بدقسمتی سے ہمارے ہاں صورت حال یہ ہے کہ ہم زیادہ تر اس چیز کے پیچھے پڑتے ہیں جس کے پیچھے پڑنے اور تحقیق کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ بہرحال مفسرین نے جو تحقیق کی اس کے مطابق ایک تو یہ بیان ہے کہ وہ عزیز مصر کی بیوی کا چچازاد بھائی تھا۔ اور دوسرا یہ ہے کہ وہ ایک شیرخوار بچہ تھا جو اس کمرہ ہی میں اپنے عہد میں پڑا کھیل رہا تھا جب یہ سارا ماجرا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر اس بچہ کو یوسف علیہ السلام کی بریت کی گواہی دی اور اس گواہی کا یہ بیان ہے جو یہاں دیا گیا۔ پھر زیادہ مفسرین نے اس گواہی کو زیادہ مضبوط اور وزنی سمجھا اور خواص و عوام میں یہی مشہور ہے کہ ایک شیرخوار بچہ نے گواہی دی۔[1]

اس موقعہ پر عزیز مصر نے انتہائی دانش مندی اور حوصلہ سے کام لیتے ہوئے معاملے کو نپٹانے کی کوشش کی۔ تاکہ مزید بدنامی سے بچا جا سکے۔ مگر معاملہ تین کے بجائے چوتھے آدمی تک پہنچ چکا تھا۔ ظاہر ہے کہ بڑے لوگوں کے محلات میں کئی نوکر اور خادمائیں ہوا کرتی ہیں۔ ان حالات میں بات کا پھیلنا یقینی ہوتا ہے۔

اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے قاضی سلیمان منصور پوری سیشن جج، ریاست پٹیالہ لکھتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ایک ہوشیار شخص تھا، اور اس نے جو طریق استدلال اختیار کیا۔ وہ صاف

---

[1] عبدالکریم اثری، تفسیر عروۃ الوثقیٰ

طور پر ظاہر کرتا ہے کہ یہ شخص بالکل عورت کی حمایت میں تھا۔ اگر ہم عورت کے اس بیان کو مروجہ قانون کے تحت لائیں تو یہ ایک استغاثہ اقدام زنا بالجبر کا تھا۔ استغاثہ کی صداقت خود مستغیثہ کے بیان اور حالت سے ہونی چاہیے تھی۔ جس میں عورت کے لباس اور جسم کو دیکھا جاتا۔ تشدد کے نشانات تلاش کیے جاتے ہیں۔ لیکن رائے دہندہ چونکہ عورت کے گھرانے کا تھا۔ اس لیے اس نے تحقیقات کا یہ حقیقی پہلو اختیار ہی نہیں کیا۔ بلکہ عورت کے خالی خولی بیان کو مان کر حضرت یوسف علیہ السلام پر صفائی کا بار ڈال دیا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندہ کی عفت و عصمت کو واضح کرنا تھا۔ ورنہ طریقہ تحقیقات خالی از تعصب ہرگز نہ تھا۔[1]

بعض کے مطابق یہ قرینے کی شہادت تھی جو قاضی کے لیے فیصلہ سازی میں ممد و معاون ثابت ہوتی ہے اور معاملات کی حقیقت پہچاننے میں علامات اور قرائن سے کام لیا جانا چاہیے۔

تابعین کے زمانے کے قاضی شریح بڑے مشہور قاضی ہوئے ہیں جنہوں نے ساٹھ سال سے زیادہ عرصہ قضا کی، ان کی عدالت میں دو عورتیں پیش کی گئیں، جو بلی کے ایک بچے پر اپنا حق ملکیت جتلاتی تھیں۔ قاضی صاحب نے بلی کا متنازعہ بچہ منگوا کر ایک عورت کے سپرد کیا اور فرمایا۔ اگر یہ بچہ ٹک گیا اس نے قرار پکڑا اور اس کے ارد گرد گھومنے لگا، انگڑائی لی تو یہ اس کی مانوسیت کی علامت ہوگا اور بچہ اسی عورت کی ملکیت سمجھا جائے گا۔ اگر غرانے اور بھاگنے لگا تو اس عورت سے غیر مانوسیت کی علامت ہوگا اور اس کو نہیں دیا جائے گا۔[2]

تابعین اور تبع تابعین کے دور میں قاضی ایاس بھی بڑے پائے کے قاضی ہوئے ہیں، ان کے پاس کاتی ہوئی اون یا روئی کی ایک اٹی لائی گئی جس کی ملکیت کی دعویدار دو

---

[1] قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، الجمال والکمال، ص 97

[2] صوفی عبدالحمید سواتی، معالم العرفان

عورتیں تھیں قاضی صاحب نے دونوں عورتوں کو ایک ایک کر کے علیحدگی میں بلایا اور پوچھا کہ یہ سوت تم نے کس چیز پر لپیٹا تھا ایک عورت نے بتلایا کہ اس نے یہ سوت روٹی کے ٹکڑے پر لپیٹا تھا، جب کہ دوسری عورت نے اخروٹ کا دانہ بتلایا۔ چنانچہ اس اٹی کو آخر تک کھولا گیا اور اس میں سے جس عورت کے بیان کے مطابق چیز نکلی اس کے حق میں فیصلہ دے دیا گیا۔ گویا یہ فیصلہ بھی علامت پر ہی تھا۔[1]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی برأت اور پاکدامنی کے حق میں فیصلہ کسی بڑے آدمی نے دیا ہو یا اللہ تعالیٰ نے کسی دودھ پیتے بچے کو قوت گویائی عطا کی ہو اور اس نے یہ گواہی دی ہو، دونوں صورتوں میں یہ حکیمانہ اور قرینے کی شہادت (Circumstantial Evidence) تھی۔ چنانچہ اس فیصلے کو تسلیم کرتے ہوئے عزیز مصر نے فوری طور پر معاملے کو رفع دفع کر دیا اور بیوی کو بھی کہہ دیا کہ یہ تو عورتوں کی چال بازی ہے، بیشک تمہاری چال بازی بہت بڑی ہے۔ اس طرح ان کی نظر میں بظاہر تو یہ کہانی ختم ہوگئی لیکن مخفی نہ رہ سکی۔

[1] مولانا سرفراز خان صفدر، ذخیرہ الجنان

# عورتوں کے فریب کا ذکر

(ترجمہ آیت) جب اس کا کرتا دیکھا تو پیچھے سے پھٹا تھا تب اس نے (زلیخا سے) کہا کہ یہ تمہارا ہی فریب ہے۔ اور کچھ شک نہیں کہ تم عورتوں کے فریب بڑے بھاری ہوتے ہیں۔ ؏[1]

مفسرین کے مطابق:

''جب سیدنا یوسف علیہ السلام کی قمیص دیکھی گئی تو وہ پیچھے سے پھٹی ہوئی تھی۔ عزیز مصر کو معلوم ہوگیا کہ اصل مجرم اس کی بیوی ہے اور اس کا بیان محض فریب کاری ہے۔ لیکن اپنی اور اپنے خاندان کی بدنامی کی وجہ سے اس نے اپنی بیوی پر کوئی مواخذہ نہیں کیا، مبادا یہ بات پھیل جائے صرف اتنا ہی کہا کہ یہ بیان تیرا ایک چلتر تھا اور یوسف پر بہت بڑا بہتان تھا اور تم عورتوں کے چلتر بڑے گمراہ کن ہوتے ہیں۔ یوسف کی تم دہری مجرم ہو۔ ایک اسے بدکاری پر اکسایا۔ دوسرے اس پر الزام لگا دیا۔ لہٰذا اب اس سے معافی مانگو۔''

بعض کے مطابق یہ کلام اگرچہ عزیز مصر کا ہے مگر رب نے بغیر تردید اسے نقل فرمایا گویا اس کی تائید کی۔ (لیکن) ہر عورت کا یہ حال نہیں ہے بعض مومنہ صالحہ عورتیں فرشتوں

؏[1] سورۃ یوسف 28:12

سے افضل ہو سکتی ہیں۔[1]

لیکن بعض کہتے ہیں کہ یہ عزیز مصر کا قول ہے جو اس نے اپنی بیوی کی حرکت قبیحہ دیکھ کر عورتوں کی بابت کہا، یہ نہ اللہ کا قول ہے نہ ہر عورت کے بارے میں صحیح، اس لیے اسے ہر عورت پر چسپاں کرنا اور اس بنیاد پر عورت کو مکر و فریب کا پتلا باور کرانا، قرآن کا ہر گز منشاء نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض لوگ اس جملے سے ہر عورت کے بارے میں یہ تاثر دیتے ہیں۔[2]

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ اس آیت میں اِنَّ کَیۡدَکُنَّ عَظِیۡمٌ (یوسف 12:28) عزیز مصر کا قول نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ چنانچہ کسی بزرگ سے منقول ہے، وہ کہا کرتے تھے کہ میں شیطان سے زیادہ عورتوں سے ڈرتا ہوں۔ اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کا ذکر کیا تو فرمایا کہ شیطان کا مکر کمزور ہے۔ (4:86) اور جب عورتوں کا ذکر کیا تو فرمایا کہ تمہارا مکر بہت بڑا ہے۔[3]

بعض کا خیال ہے کہ "اِنَّ کَیۡدَکُنَّ عَظِیۡمٌ"۔ عزیز مصر کا مقولہ ہے کہ تمہارے چرتر بہت خطرناک ہیں، اور وہ بھی اس زمانے کی عورتوں کے لیے۔ عام عورتوں کے باب میں یہ صحیح نہیں، اسلام نے عورتوں کو عفیف قرار دیا ہے، اور ان کی عزت کی ہے، اور واقع بھی یہی ہے کہ عورتیں عموماً مردوں سے زیادہ عفیف ہوتی ہیں، گناہ کی تحریک مردوں کی جانب سے ہوتی ہے، اگر مرد خود پاکباز رہیں اور عورتوں کی بہتر تربیت کریں، تو پھر اس نوع کے

---

[1] مفتی احمد یار خاں نعیمی، نور العرفان

[2] صلاح الدین یوسف، تفسیر مکہ

[3] محمد اسحاق، تفسیر درس قرآن

خطرات باقی نہیں رہتے۔[1]

## عورتوں کے فتنے[2] سے متعلق چند احادیث

1۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے بعد عورتوں سے بڑھ کر زیادہ نقصان دہ مردوں کے لیے اور کوئی فتنہ نہیں چھوڑا۔[3]

2۔(ایک مرتبہ آپ ﷺ) عید الفطر یا بقر عید کی نماز کے لیے عید گاہ تشریف لائے تو عورتوں کی ایک جماعت کے پاس بھی تشریف لے گئے۔ (جو نماز کے لیے ایک الگ گوشہ میں جمع تھیں) اور ان کو مخاطب کر کے فرمایا" اے عورتوں کی جماعت! تم صدقہ و خیرات کرو کیونکہ میں نے تم سے اکثر کو دوزخ میں دیکھا (یہ سن کر) ان عورتوں نے کہا، یارسول اللہ! اس کا سبب؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" تم لعن و طعن بہت کرتی ہو اور اپنے شوہروں کی نافرمانی و ناشکری کرتی رہتی ہو اور میں نے عقل و دین میں کمزور ہونے کے باوجود ہوشیار مرد کو بیوقوف بنا دینے میں تم سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا"[4]

3۔آپ ﷺ نے فرمایا: شراب گناہوں کی جامع ہے، عورتیں شیطان کا جال ہیں اور جوانی جنوں کا حصہ ہے اور سود سب سے بُری کمائی ہے۔[5]

4۔حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو ایک خطبہ کے

---

[1] عبدالرحمٰن کیلانی، تیسیر القرآن

[2] آزمائش، فساد، گمراہی، (المعجم الوسیط عربی اُردو)۔جھگڑا، فساد، بغاوت، سرکشی، آزمائش (فیروز اللغات)

[3] ابوالحسین بن حجاج بن مسلم نیشاپوری، صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2444

[4] محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 18

[5] علامہ علاء الدین علی متقی، کنز العمال: جلد ہشتم: حدیث نمبر 3783

دوران یہ فرماتے ہوئے سنا۔" یاد رکھو شراب پینا، گناہوں کو جمع کرنا ہے یعنی شراب چونکہ تمام برائیوں کی جڑ ہے اس لیے شراب پینے سے طرح طرح کے گناہ سرزد ہوتے ہیں اور عورتیں شیطان کے جال ہیں اور دنیا کی محبت ہر گناہ کا سر ہے۔[1]

5۔حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا دنیا میٹھی اور سرسبز ہے اور اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں خلیفہ و نائب بنانے والا ہے پس وہ دیکھے گا کہ تم کیسے اعمال کرتے ہو دنیا سے بچو اور عورتوں سے بھی ڈرتے رہو کیونکہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورتوں میں تھا۔[2]

6۔حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا یقیناً تمہیں تنگی کے فتنے میں آزمایا جائے گا پس صبر کرنا اور عنقریب تمہیں آسانی کے فتنے میں آزمایا جائے گا اور بلا شبہ جن چیزوں کا مجھے تم پر خوف ہے ان میں سے سب سے زیادہ خوف عورتوں کے فتنے سے ہے جب ان کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور وہ شام کا باریک کپڑا پہنیں گی مالدار کو تھکا دیں گی اور فقیر کو ایسی چیزوں کا ذمہ دار ٹھہرائیں گی جو اس کے پاس نہیں ہوں گی۔[3]

7۔حضرت اسامہ بن زید کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے بعد ایسا کوئی فتنہ نہیں چھوڑا ہے جو مردوں کے حق میں عورتوں کے فتنہ سے زیادہ ضرر رساں ہو۔ (بخاری و مسلم) مردوں کے حق میں عورتوں کے فتنے کو سب سے زیادہ ضرر رساں اس اعتبار سے فرمایا گیا ہے کہ اول تو مردوں کی طبائع عام طور پر عورتوں کی طرف زیادہ مائل ہوتی ہیں

---

[1] محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1138

[2] ابوالحسین بن حجاج بن مسلم نیشاپوری، صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2447

[3] حافظ ابو بکر ابن ابی شیبہ، مصنف ابن ابی شیبہ: جلد نہم: حدیث نمبر 7492

دوسرے یہ کہ مرد عام طور پر عورتوں کی خواہشات کے زیادہ پابند ہوتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ حارم امور میں گرفتار ہوتے ہیں اور عورتوں ہی کی وجہ سے آپس کے لڑائی جھگڑے نفرت وعداوت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ عورتیں ہی ہیں جن کی بے جا ناز برداریاں مردوں کو دنیاداری کی طرف راغب کرتی ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ دنیاداری سے زیادہ اور کون سی چیز ضرر رساں ہوسکتی ہے کیونکہ سرکار دو عالم ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا کہ حب الدنیا رأس کل خطیئة دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے۔ آپ ﷺ کے ارشاد گرامی سے یہ بات ثابت ہوئی کہ عورتوں کے فتنے آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں کم تھے اور ان کا زیادہ ظہور آپ ﷺ کے بعد ہوا کیونکہ اس وقت حق کا غلبہ تھا اور نیکی کی طاقت تمام برائیوں کو دبائے ہوئے تھی جب کہ آنحضرت ﷺ کے بعد آہستہ آہستہ باطل کی قوت بڑھتی گئی اور برائیوں کا غلبہ ہوتا گیا۔ [1]

8۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! کوئی آدمی کسی عورت کے ساتھ خلوت میں نہیں ہوتا مگر شیطان ان کے درمیان ضرور آجاتا ہے اور کوئی آدمی کسی ایسے خنزیر کے ساتھ جو گارے کیچڑ میں لتھڑا ہوا ہو رگڑ کر چلے اس سے کہیں بہتر ہے کہ کسی ایسی عورت کے شانے سے اس کا شانہ چھو جائے جو اس کے لیے حلال نہیں۔ الکبیر للطبرانی عن ابی امامہ (رضی اللہ عنہ) [2]

9۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے ام بنت ابی بردہ کو فرمایا: جب تیرے پاس کوئی ایسا آدمی آئے جو نامحرم ہو تو اپنے گھر والوں میں سے کسی محرم کو اپنے پاس بلا لے اور وہ تیرے

---

[1] محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 307

[2] علامہ علاء الدین علی متقی، کنز العمال: جلد سوم: حدیث نمبر 1252

پاس رہے جب تک کہ نامحرم آدمی تیرے پاس موجود ہو۔ کیونکہ آدمی اور عورت جب اکیلے ہوتے ہیں تو شیطان ان کے بیچ میں داخل ہو جاتا ہے۔ الجامع لعبد الرزاق[1]

10۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جو شخص اپنے دین کی عزت افزائی کرنا چاہتا ہو وہ کسی حکمران کے پاس نہ جائے اور تنہائی میں عورتوں کے پاس موجود نہ ہو اور بدعقیدہ لوگوں کے ساتھ بحث و مباحثہ نہ کرے۔[2]

11۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر صبح دو فرشتے پکارتے ہیں عورتیں مردوں کیلئے ہلاکت و بربادی ہیں مرد عورتوں کے لیے ہلاکت و بربادی ہیں۔[3]

12۔ عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عورتوں کے گھر (تنہائی میں) جانے سے پرہیز کرو، ایک انصاری شخص نے کہا کہ دیور کے متعلق آپ کا کیا حکم ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دیور تو موت ہے۔ (یعنی اس سے زیادہ بچنا چاہیے)۔[4]

13۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں عورتوں کے فتنے سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں عذاب قبر سے۔ (اعتلال القلوب للخرائطی عن سعد رضی اللہ عنہ)۔[5]

---

[1] علامہ علاء الدین علی متقی، کنز العمال: جلد سوم: حدیث نمبر 1850

[2] عبدالرحمٰن دارمی، سنن دارمی: جلد اول: حدیث نمبر 303

[3] ابو عبداللہ ابن ماجہ قزوینی، سنن ابن ماجہ: جلد سوم: حدیث نمبر 879

[4] محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 220

[5] علاء الدین علی متقی بن حسام الدین ہندی، کنز العمال: جلد اول: حدیث نمبر 3679

## حاصل گفتگو

قرآن کریم نے ایمان والی عورتوں کی مختلف مقامات پر مدح وتعریف کی ہے:

”بلاشبہ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں، فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں، راست باز مرد اور راست باز عورتیں، صابر مرد اور صابر عورتیں، عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں، صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں، روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں، اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے مرد اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والی عورتیں ان سب کے لیے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے“۔[1]

علامہ سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتوں ہی میں شرم وحیا پیدا کی ہے کہ خواہ کوئی شخص ان کے شوہر سے امارت میں بڑا ہو۔ خواہ خوبصورتی میں بڑھا چڑھا ہو۔ مگر وہ اپنے شوہر کے سوا دوسرے شخص کو ایک آنکھ دیکھنا پسند نہیں کرتی ہیں۔[2]

اس لیے کہ اسلامی معاشرہ ایک پاکیزہ معاشرہ ہے۔ لہٰذا ہمیں کسی مشرک معاشرے کی عورتوں کے غیر اخلاقی فعل پر قیاس کر کے اپنی بیویوں یا مسلمان بہو، بیٹیوں کے بارے میں بدگمان نہیں ہونا چاہیے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بدگمانی سے بچنے کا کتنا اہتمام فرماتے تھے اس کا اندازہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

---

[1] سورۃ الاحزاب 35:33

[2] قاضی سلیمان منصور پوری، الجمال والکمال، ص 102

اس فعل سے لگایا جاسکتا ہے۔

(حضرت) علی بن حسین، حضرت صفیہ (رضی اللہ عنہا) زوجہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے روایت کرتے ہیں... کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مسجد میں تھے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بیویاں تھیں وہ روانہ ہونے لگیں تو آپ نے صفیہ بنت حیی (رضی اللہ عنہا) سے فرمایا جلدی نہ کرو، یہاں تک کہ میں بھی تیرے ساتھ چلوں اور ان کا کمرہ اسامہ بن زید (رضی اللہ عنہ) کے گھر میں تھا، نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کے ساتھ چلے۔ تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے دو انصاری ملے ان دونوں نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دیکھا پھر آگے بڑھے۔ اور نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان دونوں کو پکارا کہ تم دونوں آؤ یہ صفیہ بنت حیی (رضی اللہ عنہا) ہیں ان دونوں نے عرض کیا سبحان اللہ یا رسول اللہ (آپ کی طرف سے کوئی بدگمانی ہوسکتی ہے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح دوڑتا ہے اور مجھے خوف ہے کہ کہیں تمہارے دلوں میں کوئی بدگمانی نہ پیدا کردے۔[1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ ارشاداتِ گرامی ہر مسلمان مرد و عورت کے لیے مشعلِ راہ اور پاکیزہ زندگی کی ضمانت ہیں۔ ان احکامات کو عام معاشرتی اور گھریلو زندگی میں نافذ کرنا از حد ضروری ہے۔

---

[1] محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 1959

# خواتین کی محفل کا انعقاد

(ترجمہ آیت) اور شہر کی عورتیں آپس میں چرچا کرنے لگیں کہ عزیز مصر کی بیوی (زلیخا) اپنے نوجوان غلام کو اپنی طرف ورغلانا چاہتی ہے اور اس کی محبت اس کے دل میں گھر کر چکی ہے۔ ہم تو اسے واضح طور پر گمراہی میں مبتلا دیکھ رہی ہیں۔ [1]

بات منہ سے نکلی اور گھر گھر پہنچی۔ جس بات کا عزیز مصر کو خطرہ تھا وہ ہو کے رہی۔ بات محل سے نکلی اور شہر میں پھیل گئی۔ جب شہر میں اس واقعہ کا چرچا ہونے لگا تو بعض عورتوں نے اس پر تعجب کا اظہار کیا اور کہا کہ امراۃِ عزیز مصر کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایک کنعانی غلام پر فریفتہ ہو گئی ہے۔

یہ خبر آہستہ آہستہ امراۃ العزیز تک بھی پہنچ گئی۔ ایسی باتیں اس کے لیے عجیب وغریب اور شرمناک تھیں، اس کو بہت رنج پہنچا، کیونکہ اس کے آئندہ کے عمل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملے میں وہ خود کو عاجز اور معذور سمجھتی تھی اور اپنے فعل کو ہر صورت درست ثابت کرنا چاہتی تھی۔

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امراۃِ عزیز بلا کی ذہین عورت تھی اور اپنا بھرپور دفاع کرنا چاہتی تھی۔ (چنانچہ) جب اس نے ان عورتوں کی (مکارانہ) گفتگو (جو اصل میں دیدار یوسف علیہ السلام کے لیے ایک چال تھی) سنی تو ان کے پاس دعوت کا پیغام بھیجا اور ان کے لیے

---

[1] سورۃ یوسف 30:12

ایک محفل مرتب کی اور پھل کاٹنے کے لیے ہر ایک کو ایک چھری دی اور یوسف (علیہ السلام) سے کہا کہ ان کے سامنے باہر آؤ۔ جب عورتوں نے ان کو دیکھا تو انھیں (حُسن میں) بہت عظیم سمجھا اور اپنے ہاتھ کاٹ (کر زخمی کر) لیے۔ اور بے ساختہ بول اٹھیں کہ سبحان اللہ یہ آدمی نہیں، کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔[1]

امراۃِ عزیز کے لئے یہ بڑی خوشی کی بات تھی:

سب رقیبوں سے ہوں ناخوش پر زنانِ مصر سے
ہے زلیخا خوش کہ محوِ ماہِ کنعاں ہوگئیں

(مرزا غالب)

عورتوں کی یہ حالت دیکھ کر اس کا حوصلہ مزید بڑھ گیا اور اس نے نہ صرف اپنے برے ارادے کا ایک مرتبہ پھر برملا اظہار کر دیا بلکہ یوسف علیہ السلام کو دھمکی بھی دے دی:

اس نے کہا یہی ہے وہ جس کی وجہ سے تم مجھ کو ملامت کرتی تھیں میں نے اس کو اپنی طرف راغب کیا تھا یہ بچا رہا اور اگر اس نے وہ کام نہیں کیا جو میں نے اس سے کہا ہے تو یہ ضرور قید کر دیا جائے گا اور یہ بے عزت لوگوں میں سے ہو جائے گا۔[2]

یہ ایلیٹ کلاس کے معاشرے کی ایک جھلک تھی جس میں حضرت یوسف علیہ السلام پھنسے ہوئے تھے۔ آپ کی دعا سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے ایک عورت ان کے پیچھے پڑی تھی، اب اس کلاس کی دیگر عورتیں بھی ان کی دیوانی ہوگئیں۔ چنانچہ آپ نے رب کریم سے دعا کی:

---

[1] سورۃ یوسف 31:12
[2] سورۃ یوسف 32:12

یوسف (علیہ السلام) نے کہا اے میرے رب! مجھے قید ہونا اس گناہ سے پسند ہے جس کی طرف مجھے یہ دعوت دیتی ہیں اور اگر تو نے ان کی سازش مجھ سے دور نہ کی تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور میں جاہلوں سے ہو جاؤں گا۔ [1]

یعنی قید و بند کی صعوبتیں برداشت ہیں مگر بے حیائی کا ارتکاب کرنا گوارا نہیں۔ بارگاہ الٰہی میں دعا قبول فرمالی گئی:

پھر یوسف (علیہ السلام) کی پاکبازی کی علامات دیکھنے کے باوجود ان کی یہی رائے ہوئی کہ وہ کچھ عرصہ کے لیے یوسف (علیہ السلام) کو ضرور قید کر دیں۔ [2]

حضرت یوسف علیہ السلام کی بے گناہی ثابت ہونے کے باوجود عزیز مصر نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ آپ کو جیل بھیج دیا جائے تاکہ لوگ سمجھیں کہ قصوروار حضرت یوسف علیہ السلام ہی ہیں اور عزیز مصر اور اس کی بیوی کی جو بدنامی ہو رہی ہے اس سے وہ بچ جائیں۔ اور شاید کچھ عرصہ بعد لوگ بھی اس واقعہ کو بھول ہی جائیں۔

چنانچہ بے گناہی کے باوجود یوسف علیہ السلام کو ناجائز طور پر جیل بھیج دیا گیا۔

---

[1] سورۃ یوسف 33:12

[2] سورۃ یوسف 35:12

# یوسف علیہ السلام زندان میں

(ترجمہ آیت) تب وہ عورت بولی تم نے دیکھا؟ یہ ہے وہ آدمی جس کے بارے میں تم نے مجھے طعنے دیئے تھے ہاں بیشک میں نے اس کا دل اپنے قابو میں لینا چاہا تھا مگر وہ بے قابو نہ ہوا اور اب بھی اگر اس نے میرا کہا نہ مانا تو ضرور ایسا ہو گا کہ قید کیا جائے اور بے عزتی میں پڑے۔[1]

قید خانہ ایسی جگہ ہے جہاں انسان کی آزادی اور مرضی سلب ہو جاتی ہے۔ یہودیت اور عیسائیت میں قید کا تصور تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور مبارک میں مدینہ منورہ میں کسی باقاعدہ قید خانے یا جیل کا ذکر تو نہیں ملتا لیکن قرآن و حدیث میں قید کا جواز ملتا ہے۔ خلفاء راشدین کے ادوار میں مدینہ منورہ میں جیل کا وجود تھا۔

جہاں تک جیل جانے کا تعلق ہے، مجرم ہی جیل نہیں جاتے، بلکہ بے گناہوں کو بھی جیل بھیجا جاتا ہے۔ جیسا کہ یوسف علیہ السلام کی مثال ہمارے سامنے ہے اور دیگر دنیا کا تو حال ہی کیا لکھنا؟ جھوٹی گواہیاں اس قدر پھیل گئی ہیں جن کی بنیاد پر سچے جیل جاتے ہیں اور جھوٹے رہائی پاتے ہیں۔

---

[1] سورۃ یوسف 32:12

حالانکہ قاضی سے غلط بیانی کر کے اور جھوٹ بول کر اپنے حق میں فیصلہ کروالینا آگ کے انگارے لینے کے برابر ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان اقدس ہے:

میں انسان ہوں۔میرے پاس جھگڑا لے کر آتے ہو۔شاید بعض زیادہ چرب زبان ہو۔ میں اس کو سچا خیال کرتے ہوئے اس کے لیے فیصلہ کر دوں۔لہٰذا جس کے لیے میں فیصلہ کر دوں تو یہ جہنم کا ایک ٹکڑا ہے چاہے وصول کر لے یا چھوڑ دے۔[1]

حضرت ام سلمہ (رضی اللہ عنھا) فرماتی ہیں کہ رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے فرمایا" اس میں کوئی شک نہیں کہ میں ایک انسان ہوں اور تم اپنے قضیے (جھگڑے) لے کر میرے پاس آتے ہو،ممکن ہے تم میں سے کوئی شخص اپنے دلائل پیش کرنے میں دوسرے سے زیادہ فصیح و بلیغ بیان کا حامل ہو اور میں اس کا (مدلل) بیان سن کر اسی کے مطابق فیصلہ کر دوں لہٰذا وہ شخص کہ میں جس کے حق میں کسی ایسی چیز کا فیصلہ کروں جو حقیقت میں اس کے بھائی مسلمان کی ہو،اس چیز کو نہ لے کیونکہ (ایسی صورت میں گویا) میں اس کے حق میں آگ کے ایک ٹکڑے کا فیصلہ کروں گا۔" (بخاری،ومسلم) تشریح:۔۔چونکہ میں بھی ایک انسان ہوں اور اس حیثیت سے وہ تمام احکام وعوارض مجھ پر بھی پیش آتے ہیں جو بشریت کا خاصہ ہیں اور جن کا تعلق انسانی جبلت سے ہے،لہٰذا جن معاملات میں مجھے وحی کے ذریعہ براہ راست بارگاہ الوہیت سے۔مجھے تعلیم و ہدایت دی جاتی ہے ان کے علاوہ دوسرے امور میں مجھے انہی ضابطوں اور قاعدوں کے مطابق عمل کرنا ہوتا ہے جن کی بنیاد انسانی عقل اور بشری تقاضوں پر ہے۔چنانچہ جب میرے سامنے کوئی قضیہ آتا ہے تو میں اس کے ظاہری پہلوؤں کے

---

[1] احمد بن الحسین ابو بکر البیہقی،سنن کبری للبیہقی: جلد نہم: حدیث نمبر 6659

مطابق ہی فیصلہ کرتا ہوں ۔اگر مدعی اپنے دلائل اپنے گواہ اور اپنے زور بیان سے میرے سامنے یہ ثابت کر دیتا ہے کہ اس کا دعوی صحیح ہے اور اس نے جس چیز کا مطالبہ کیا ہے وہ اسی کا حق ہے تو میں اس کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہوں کہ ظاہری حکم کا تقاضہ یہی ہے اب اس کے بعد مدعی جانے کہ اگر حقیقت میں اس کا دعویٰ صحیح ہے اور جس چیز کا اس نے مطالبہ کیا ہے وہ اسی کا حق ہے تو وہ اپنی مراد پالے ۔لیکن اگر حقیقت میں اس کا دعویٰ صحیح نہ تھا اور جس چیز کا اس نے مطالبہ کیا تھا وہ اس کا حق نہیں تھا بلکہ کسی دوسرے کا حق تھا اور میں نے اس کے ظاہری دلائل وثبوت اور اس کی چرب زبانی اور قوت لسانی سے یہ سمجھا کہ اس کا دعوی صحیح ہے ۔اور اس کا مدعا اس کو دلوا دیا تو اس کو چاہیے کہ وہ اس چیز کو اپنے حق میں حلال نہ جانے بلکہ یہ سمجھ کر کہ یہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے جو ملا ہے ۔اس سے اجتناب کرے ۔ [1]

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا یہ بھی فرمان ہے: دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے [2] اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کو مومن کے لیے قید خانہ کے ساتھ قحط بھی فرمایا اور فرمایا جب وہ دنیا سے جدا ہوگا تو جیل خانہ اور قحط سے جدا ہوگا۔(مسند احمد، طبرانی فی الکبیر، حلیۃ الاولیاء، حاکم عن ابن عمر) [3]

## قارئین کرام!

حضرت یوسف علیہ السلام کو پہلے مرحلے میں بھائیوں کے حسد اور ان کی نفرت اور عداوت کا سامنا تھا جس کے نتیجے میں انہیں ایک اندھے کنوئیں میں پھینک دیا گیا۔دوسرے مرحلے میں عزیز مصر کی بیوی کی طرف سے برائی کی طرف پیشقدمی کا تھا،اب تیسرے مرحلے میں ان

---

[1] محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 886

[2] ابوالحسین بن حجاج بن مسلم نیشاپوری، صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2916

[3] علامہ علاء الدین علی متقی، کنز العمال: جلد دوم: حدیث نمبر 955

کو بے قصور جیل میں ڈال دیا گیا۔

مختلف کتب میں حضرت یوسف علیہ السلام کی اسیری کے دوران امراۃِ عزیز کے حسن سلوک یا اس کے برعکس رویے سے متعلق بھی بہت سے واقعات نقل کیے گئے ہیں، جن کی کوئی ٹھوس دلیل نہیں ہے۔ اس لیے ایسے واقعات کو کتاب میں جگہ نہیں دی گئی۔

## حضرت یوسف علیہ السلام کی قید کی مدت

حضرت یوسف علیہ السلام کی قید کی مدت کے بارے میں بھی مختلف اقوال ہیں۔ عکرمہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام سات سال قید خانے میں رہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث : ١٤٧٤٠) طارق اور سعید بن جبیر نے کہا: یہ مدت چھ ماہ تھی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث : ١١٥٩١) ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ مدت پانچ سال تھی۔ حضرت ابن عباس سے ایک اور روایت ہے کہ یہ مدت ایک سال تھی۔ عکرمہ نے حضرت ابن عباس سے سات سال کی روایت کی ہے۔ عطا نے کہا: یہ قید اس وقت تک کے لیے تھی حتیٰ کہ لوگوں کی زبانیں اس واقعہ کے ذکر سے بند ہو جائیں۔ الماوردی نے کہا: اس قید کی کوئی مدت معین نہیں کی گئی تھی اور ان کو غیر محدود مدت کے لیے قید کیا گیا تھا اور یہی قول صحیح ہے۔

(زاد المسیر، ج ٤ ص ٢٢٢، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ١٤٠٧ھ) [1]

قرآن کریم نے ''بضع سنین''[2] کے الفاظ استعمال کیے ہیں جس کا ترجمہ اکثر مفسرین نے ''کئی سال'' کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ الفاظ تین سے نو سال کے لیے بولے جاتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ جیل میں دو اور قیدی بھی قید تھے جو بادشاہ نے قید کئے

---

[1] غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن

[2] سورۃ یوسف 42:12

تھے جیسا کہ قرآن کریم نے ذکر کیا ہے:

اور یوسف علیہ السلام کے ساتھ دو جوان آدمی اور بھی قید خانے میں داخل ہوئے ان میں سے ایک نے کہا مجھے ایسا دکھائی دیا ہے کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں، دوسرے نے کہا مجھے ایسا دکھائی دیا ہے کہ سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں اور پرند، ان کو کھا رہے ہیں ہمیں بتلاؤ اس بات کا نتیجہ کیا نکلنے والا ہے؟ ہم دیکھتے ہیں کہ تم بڑے نیک آدمی ہو۔[1]

بائبل کے بیان کے مطابق ایک شاہ مصر کا ساقی سردار تھا اور دوسرا نان بائی سردار۔ ان دونوں کو شاہ مصر نے کسی جرم میں جیل بھیج دیا تھا۔

دونوں نے اپنے خواب بیان کیے۔ایک نے (جو ساقی تھا) کہا میں نے خود کو شراب نچوڑتے ہوئے دیکھا یعنی شراب کی غرض سے انگور کو نچوڑتے ہوئے دیکھا۔ دوسرا شخص جس نے یہ خواب دیکھا تھا نان بائیوں کا سردار تھا۔ (بائبل، کتاب پیدائش باب ۴۰)

ان کے اس بیان سے واضح ہوا کہ یوسف علیہ السلام کا کردار جیل میں بھی بلند رہا اور وہ نیک شخص کی حیثیت سے وہاں مشہور ہوئے۔

بائبل میں ہے:

”لیکن خداوند یوسف کے ساتھ تھا۔اس نے اس پر رحم کیا اور قید خانہ کے داروغہ کی نظر میں اسے مقبول بنایا۔اور قید خانہ کے داروغہ نے سب ایسوں کو جو قید میں تھے یوسف کے ہاتھ میں سونپا اور جو کچھ وہ کرتے اس کے حکم سے کرتے تھے اور قید خانہ کا داروغہ سب کاموں کی طرف سے جو اس کے ہاتھ میں تھے بے فکر تھا اس لیے کہ خدا یوسف کے ساتھ تھا اور جو کچھ وہ کرتا تھا اس میں خداوند ہی اُسے کامیابی عطا فرماتا تھا۔“ (پیدائش 22:41)

---

[1] سورۃ یوسف 36:12

(ان دونوں قیدیوں کو) یوسف (علیہ السلام) نے کہا تمہیں جو کھانا دیا جاتا ہے اس کے تمہارے پاس پہنچنے سے پہلے ہی میں تمہیں اس کی تعبیر بتلا دوں گا یہ سب اس علم کی بدولت ہے جو میرے رب نے سکھایا ہے، میں نے ان لوگوں کا مذہب چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت کے بھی منکر ہیں ۔[1] میں نے اپنے باپ دادوں یعنی ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) کی ملت کی پیروی کی ہم ایسا نہیں کر سکتے کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک ٹھہرائیں یہ اللہ کا فضل ہے جو اس نے ہم پر اور بعض دوسرے لوگوں پر کیا ہے لیکن اکثر آدمی ہیں جو اس کا شکر نہیں بجالاتے.[2]

## جیل میں دعوت وتبلیغ

حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل میں بھی دعوت توحید وتبلیغ کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔اس وقت کا مصری معاشرہ ایک بت پرست معاشرہ تھا اور لوگ متعدد خداؤں اور دیوی دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ جہاں معاشرہ کفر وشرک کا شکار ہوا اور برائی حد سے بڑھی تو اللہ تعالیٰ نے وہاں پیغمبر مبعوث فرمائے۔آج اکیسویں صدی کے نام نہاد مہذب اور باشعور معاشروں میں بھی شرک اور بت پرستی کی کمی نہیں ہے۔لیکن اب قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا۔کیونکہ نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بعثت انبیاء کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔اب دعوت وتبلیغ کا یہ فریضہ علماءِ حق سرانجام دے رہے ہیں۔

عقیدہ توحید کو دعوتُ الرُّسل کی حیثیت حاصل ہے لیکن افسوس لوگوں نے اگر سب سے کم توجہ کسی عقیدے کی طرف دی ہے تو وہ یہی توحید کا عقیدہ ہے جس کی تعلیم یوسف علیہ السلام اپنے

---

[1] سورۃ یوسف 37:12

[2] سورۃ یوسف 38:12

جیل کے ساتھیوں کو فرمارہے ہیں:

اور (یوسف علیہ السلام نے) کہا اے یارانِ مجلس! کیا جدا جدا معبودوں کا ہونا بہتر ہے یا اللہ کا جو یگانہ اور سب پر غالب ہے۔ تم اس کے سوا جن ہستیوں کی بندگی کرتے ہو ان کی حقیقت اس سے زیادہ کیا ہے کہ محض چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لیے ہیں اللہ نے ان کے لیے کوئی سند نہیں اتاری، حکومت تو اللہ ہی کی ہے اس کا فرمان یہ ہے کہ صرف اسی کی بندگی کرو اور کسی کی نہ کرو، یہی سیدھا دین ہے مگر اکثر آدمی ایسے ہیں جو نہیں جانتے[1]

توحید کا وعظ فرمانے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام ان کے بیان کردہ خوابوں کی تعبیر بیان فرماتے ہیں:

اے یارانِ قید! (اب اپنے خوابوں کا مطلب سن لو) تم میں ایک آدمی تو وہ ہے جو اپنے آقا کو شراب پلائے گا اور دوسرا آدمی وہ ہے جو سولی پر چڑھایا جائے گا اور پرند اس کا سر کھائیں گے جس بات کے بارے میں تم سوال کرتے ہو وہ فیصلہ ہو چکی اور فیصلہ ان شاء اللہ یہی ہے[2]

اور ایسا ہی ہوا جیسا کہ آپ نے تعبیر فرمائی تھی۔

اور کہا حضرت یوسف (علیہ السلام) نے اس شخص سے جس کے متعلق انھیں خیال تھا کہ وہ ان دونوں میں سے رہا ہو جائے گا کہ اپنے آقا سے میرا ذکر کرنا تو شیطان نے اس کو اپنے آقا سے ذکر کرنا بھلا دیا۔ پس یوسف علیہ السلام کئی سال جیل میں پڑے رہے۔[3]

یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت تھی کہ آپ کچھ عرصہ مزید جیل میں رہیں۔

---

[1] سورۃ یوسف 12:39-40

[2] سورۃ یوسف 12:41

[3] سورۃ یوسف 12:42

# بادشاہِ مصر کا خواب

(ترجمہ آیت) بادشاہ نے کہا، میں نے خواب دیکھا ہے سات موٹی تازی فربہ گائے ہیں جن کو سات لاغر دبلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات بالیاں ہیں ہری ہری اور دوسری سات بالکل خشک۔ اے درباریو! میرے اس خواب کی تعبیر بتلاؤ اگر تم خواب کی تعبیر دے سکتے ہو۔ [1]

درباریوں اور مصر کے دیگر نجومیوں اور کاہنوں نے اپنی بے بسی کا اظہار کر دیا اور کہا ''یہ خواب پریشاں ہے اور ہم پریشان خوابوں کی تعبیر کے عالم نہیں''۔ [2]

اب وہ شخص جو دونوں قیدیوں میں سے رہائی پا گیا تھا اور جسے مدت کے بعد (یوسف علیہ السلام کی) وہ بات یاد آ گئی، بول اٹھا کہ میں اس کی تعبیر لا بتاتا ہوں مجھے (جیل خانے) جانے کی اجازت دیجئے۔ [3]

(غرض وہ یوسف علیہ السلام کے پاس آیا اور کہنے لگا) اے بڑے سچے یوسف! (علیہ السلام) ہمیں اس خواب کی تعبیر بتائیے کہ سات موٹی گائیوں کو سات دبلی گائیں

---

[1] سورۃ یوسف 43:12

[2] سورۃ یوسف 44:12

[3] سورۃ یوسف 45:12

کھا رہی ہیں، سات خوشے سبز ہیں اور سات سوکھے، تا کہ میں لوگوں کے پاس جا کر تعبیر بتاؤں، عجب نہیں کہ وہ (تمہاری قدر) جانیں۔ [1]

یوسف (علیہ السلام) نے کہا تم سات سال لگا تار کھیتی باڑی کرو گے۔ جو کھیتی تم کاٹو اس میں سے کھانے کے لیے تھوڑا بہت اناج چھوڑ کر باقی کو بالیوں میں ہی رہنے دینا [2]

پھر اس کے بعد سات سال بہت سخت آئیں گے۔ اور جو اناج تم نے ان سالوں کے لیے پہلے سے جمع کیا ہو گا وہ سب کھا لیا جائے گا بجز تھوڑے سے اناج کے جو تم (بیج کے لئے) بچا لو گے۔ پھر اس کے بعد ایک سال ایسا آئے گا جس میں باران رحمت سے لوگوں کی فریاد رسی کی جائے گی اور اس سال وہ رس نچوڑیں گے۔ [3]

یہ تعبیر لے کر جب قاصد بادشاہ کے پاس پہنچا تو بادشاہ نے کہا یوسف (علیہ السلام) کو فوری میرے پاس لاؤ۔

---

[1] سورۃ یوسف 46:12
[2] سورۃ یوسف 47:12
[3] سورۃ یوسف 48.49:12

# یوسف علیہ السلام کا رہائی کی شرط رکھنا

شاہی فرمان جاری ہوا کہ یوسف علیہ السلام کو رہا کر کے شاہی دربار میں بلایا جائے۔ قاصد رہائی کا پیغام لے کر حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچا، لیکن آپ نے بادشاہ کی دعوت قبول کرنے کی بجائے قاصد سے کہا کہ تم واپس جا کر اپنے مالک سے کہو کہ وہ ان عورتوں (آپ علیہ السلام نے زلیخا کا نام نہیں لیا) سے حقیقت معلوم کرے جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے یعنی اس جرم کی تحقیقات کرے جس جرم کی پاداش میں مجھے جیل بھیجا گیا تھا۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

(ترجمہ آیت) بادشاہ نے (جب یہ تعبیر سنی تو) کہا کہ اس شخص کو میرے پاس لاؤ۔ مگر جب پیغام لے جانے والا یوسف (علیہ السلام) کے پاس پہنچا تو انھوں نے کہا: اپنے مالک (بادشاہ مصر) کے پاس واپس جاؤ اور اس سے پوچھو کہ: ان عورتوں والا معاملہ کیسا ہے۔ جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے؟ میرا پروردگار تو ان کے چلتروں کو خوب جاننے والا ہے[1]

چنانچہ بادشاہ نے ان عورتوں کو بلایا جن میں امراۃ عزیز بھی شامل تھی، تو ان سب نے اعتراف جرم کرلیا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

---

[1] سورۃ یوسف 50:12

(ترجمہ آیت) بادشاہ نے ان عورتوں کو بلا کر پوچھا: وہ کیا معاملہ تھا جب تم نے یوسف (علیہ السلام) کو اپنی طرف ورغلانا چاہا تھا؟ وہ بول اٹھیں۔ حاشا ﷲ! ہم نے ان میں کوئی برائی نہیں دیکھی اس وقت عزیز (مصر) کی بیوی بول اٹھی اب تو حق ظاہر ہو ہی چکا ہے میں نے ہی ورغلایا تھا اور وہ بالکل سچا ہے[1]

عزیز مصر کی بیوی یہ اس وقت کہہ رہی ہے جب بادشاہ کی مجلس میں مقدمے کی سماعت (Trial) ہو رہی ہے۔ اور یوسف علیہ السلام وہاں موجود نہیں ہیں وہ ابھی جیل میں ہیں۔

اس سلسلے میں اگلی دونوں آیات ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ۔۔۔[2] اور وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْۗءِ[3] میں جو مضمون بیان ہوا ہے اس میں مفسرین کے درمیان اختلاف واقع ہوا ہے۔

ہم نے ان آیات کا ترجمہ مشہور مفسر حافظ ابن کثیر کی بلند پایہ تفسیر ابن کثیر سے لیا ہے جس کو ہر زمانہ کے علماء کرام کی قبولیت کا شرف حاصل ہے۔

(ترجمہ آیات) یہ اس لیے کہ وہ جان لے کہ بیشک میں نے عزیز مصر کی عدم موجودگی میں اس کی خیانت نہیں کی اور یہ کہ بیشک اللہ خیانت کرنے والوں کی چال کو کامیاب نہیں کرتا۔ میں اپنے نفس کی پاکیزگی بیان نہیں کرتی، بیشک نفس تو برائی پر ابھارنے والا ہے ہی مگر یہ کہ میرا پروردگار ہی اپنا رحم کرے، یقیناً میرا پالنے والا بڑی بخشش کرنے والا اور بہت مہربانی فرمانے والا ہے۔

---

[1] سورۃ یوسف 51:12

[2] سورۃ یوسف 52:12

[3] سورۃ یوسف 53:12

بعض مفسرین کا مؤقف ہے کہ یہ سارا کلام امراۃ عزیز کا ہے کہ اس نے کہا کہ میں نے یوسف علیہ السلام کی عدم موجودگی میں اپنے گناہ کو ان کی طرف منسوب نہیں کیا اور بعض کے مطابق اپنے خاوند کی خیانت نہیں کی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ حضرت یوسف علیہ السلام کا کلام ہے۔ کہ میں نے عزیز مصر کی غیر موجودگی میں اس کی خیانت نہیں کی۔ مفسرین کے مطابق بلحاظ ضمائر ترجمہ دونوں طرح صحیح ہے کیونکہ واحد متکلم کا صیغہ مذکر، مونث کے لیے ایک ہی ہے ”وما ابری نفسی“ کا ترجمہ ”میں اپنے نفس کی پاکیزگی کا دعویٰ نہیں کرتی“۔ اور ”میں اپنے نفس کی پاکیزگی کا دعویٰ نہیں کرتا“ دونوں طرح صحیح اور جائز ہے۔[1]

حافظ ابن کثیر (774ھ) لکھتے ہیں:

عزیز مصر کی بیوی کہہ رہی ہے کہ میں اپنی پاکیزگی بیان نہیں کر رہی اپنے آپ کو نہیں سراہتی۔ نفس انسانی تمناؤں اور بری باتوں کا مخزن ہے۔ اس میں ایسے جذبات اور شوق اچھلتے رہتے ہیں۔ وہ برائیوں پر ابھارتا رہتا ہے۔ اسی کے پھندے میں پھنس کر میں نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا۔ مگر جسے اللہ چاہے نفس کی برائی سے محفوظ رکھ لیتا ہے۔ اس لیے کہ اللہ بڑا غفور و رحیم ہے۔ بخشش کرنا معافی دینا اس کی ابدی اور لازمی صفت ہے۔ یہ قول عزیز مصر کی عورت کا ہی ہے۔ یہی بات مشہور ہے اور زیادہ لائق ہے اور واقعہ کے بیان سے بھی زیادہ مناسب ہے۔ اور کلام کے معنی کے ساتھ بھی زیادہ موافق ہے۔ امام ماوردی (رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنی تفسیر میں اسے وارد کیا ہے۔ اور علامہ ابو العباس حضرت امام ابن تیمیہ (رحمۃ اللہ علیہ) نے تو اسے ایک مستقل تصنیف میں بیان فرمایا ہے اور اس کی پوری تائید کی ہے۔

---

[1] عبد الکریم اثری، تفسیر عروۃ الوثقیٰ

ابن کثیر مزید لکھتے ہیں:

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ قول حضرت یوسف (علیہ السلام) کا ہے۔ لیعلم سے اس دوسری آیت کے ختم تک انہی کا فرمان ہے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے تو صرف یہی ایک قول نقل کیا ہے۔ چنانچہ ابن جریر میں ابن عباس (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ بادشاہ نے عورتوں کو جمع کر کے جب ان سے پوچھا کہ کیا تم نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کو بہلایا پھسلایا تھا؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ حاشا لِلّٰہ ہم نے اس میں کوئی برائی نہیں دیکھی۔ اس وقت عزیز مصر کی بیوی نے اقرار کیا کہ واقعی حق تو یہی ہے.... الغرض ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ کلام حضرت یوسف (علیہ السلام) کا ہے۔ لیکن پہلا قول یعنی اس کلام کا عزیز کی عورت کا کلام ہونا ہی زیادہ قوی اور زیادہ ظاہر ہے۔ اس لیے کہ اوپر سے انہی کا کلام چلا آرہا ہے جو بادشاہ کے سامنے سب کی موجودگی میں ہو رہا تھا۔ اس وقت تو حضرت یوسف (علیہ السلام) وہاں موجود ہی نہ تھے۔ اس تمام قصے کے کھل جانے کے بعد بادشاہ نے آپ کو بلوایا۔[1]

حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

اسے اگر حضرت یوسف (علیہ السلام) کا کلام تسلیم کیا جائے تو بطور کسر نفسی کے ہے، ورنہ صاف ظاہر ہے کہ ان کی پاک دامنی ہر طرح سے ثابت ہو چکی تھی اور اگر یہ عزیز مصر کی عورت کا قول ہے (جیسا کہ امام ابن کثیر کا خیال ہے) تو یہ حقیقت پر مبنی ہے کیونکہ اپنے گناہ کا اور یوسف علیہ السلام) کو بہلانے اور پھسلانے کا اعتراف کر لیا۔[2]

---

[1] حافظ ابو الفدا ءمحمد بن اسماعیل دمشقی، تفسیر ابن کثیر

[2] حافظ صلاح الدین یوسف، تفسیر مکہ

ڈاکٹر اسرار احمد لکھتے ہیں:

اگر گزشتہ آیت میں نقل ہونے والے بیان کو عزیز مصر کی بیوی کا بیان مانا جائے تو اس صورت میں آیت زیرنظر بھی اسی کے کلام کا تسلسل قرار پائے گی اور اس کا ترجمہ وہی ہوگا جو اوپر کیا گیا ہے۔ یہ ترجمہ دراصل اس نظریے کے مطابق ہے جس کے تحت ہمارے بہت سے مفسرین اور قصہ گو حضرات نے مائی زلیخا کو ولی اللہ کے درجے تک پہنچا دیا ہے اور کچھ بعید بھی نہیں کہ اس کا عشق مجازی وقت کے ساتھ ساتھ عشق حقیقی میں تبدیل ہوگیا ہو اور وہ حقیقتاً ہدایت پر آ گئی ہو۔ بہرحال جو لوگ اس بات کو درست تسلیم کرتے ہیں وہ ان آیات کا ترجمہ اسی طرح کرتے ہیں، کیونکہ اس نے اعتراف جرم کر کے توبہ کرلی تھی اور اس لحاظ سے مذکورہ مفسرین کا مؤقف یہ ہے کہ اعتراف گناہ سے لے کر آیت 53 کے اختتام تک اسی کا بیان ہے۔

اس سلسلے میں دوسرا مؤقف (جو دورحاضر کے زیادہ تر مفسرین نے اختیار کیا ہے) یہ ہے کہ عزیز مصر کی بیوی کا بیان اس آیت پر ختم ہوگیا ہے: (اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ) اور اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کا بیان نقل ہوا ہے۔ اس صورت میں آیت 52 اور 53 کا مفہوم یوں ہوگا کہ جب بادشاہ کی تفتیشی کارروائی اور عزیز مصر کی بیوی کے برملا اعتراف جرم کے بارے میں حضرت یوسف علیہ السلام کو بتایا گیا تو آپ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اس سب کچھ سے میرا یہ مقصود نہیں تھا کہ کسی کی عزت و ناموس کا پردہ چاک ہو بلکہ میں تو چاہتا تھا کہ عزیز مصر یہ جان لے کہ اگر اس نے مجھے اپنے گھر میں عزت و اکرام سے رکھا تھا اور مجھ پر اعتماد کیا تھا تو میں نے بھی اس کی عدم موجودگی میں اس کی خیانت کر کے اس کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائی، اور میرا ایمان ہے کہ اللہ خیانت کرنے والوں کو راہ یاب نہیں

کرتا۔ باقی میں خود کو بہت پارسا نہیں سمجھتا کہ نفس انسانی تو انسان کو برائی پر ابھارتا ہی ہے اور اس کے حملے سے صرف وہی بچ سکتا ہے جس پر میرا رب اپنی خصوصی نظر رحمت فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے میری حفاظت کا بھی اگر خصوصی انتظام نہ فرمایا جاتا تو مجھ سے بھی غلطی سرزد ہو سکتی تھی۔ مگر چونکہ میرا رب بخشنے والا بہت زیادہ رحم فرمانے والا ہے اس لیے اس نے مجھ پر اپنی خصوصی رحمت فرمائی۔[1]

حافظ عبدالسلام بن محمد لکھتے ہیں:

بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہ قول عزیز کی بیوی ہی کا ہے مگر "لِیَعۡلَمَ" سے مراد یہ ہے کہ یوسف (علیہ السلام) کو معلوم ہو جائے، جب کہ وہ قید خانے میں ہیں کہ میں نے ان کی عدم موجودگی میں ان کی خیانت نہیں کی، نہ انھیں کسی طرح مجرم بنایا ہے، بلکہ اپنی کوتاہی کا ہی اعتراف کیا ہے۔ یہ معنی ایک لحاظ سے زیادہ قریب ہے کہ عزیز کا اس سارے سلسلۂ کلام میں ذکر ہی نہیں۔ البتہ قریب ترین شخص جن کا ذکر اس نے کیا وہ یوسف علیہ السلام ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ کلام یوسف علیہ السلام کا کلام ہے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب عزیز مصر کی بیوی نے اعتراف کیا تو ایک شخص نے قید خانے میں جا کر یوسف علیہ السلام کو یہ بات بتائی تو انھوں نے فرمایا۔ مگر یہ بات ہمارے پاس نہ قرآن مجید میں ہے، نہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اور اگر ان دونوں کے علاوہ اس خبر کا کوئی اور ذریعہ ہے تو اس کے سچ جھوٹ معلوم ہونے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں۔ رہی یہ بات کہ عزیز کی بیوی رب تعالیٰ اور اس کی صفات غفور و رحیم ہونے کا ذکر کیسے کر سکتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کے زمانے کا بادشاہ مصر کے فرعونوں سے پہلے کا ہے اور

---

[1] حافظ صلاح الدین یوسف، تفسیر مکہ

ساری سورۃ میں بادشاہ یا اس کے وزراء میں سے کسی کے کفر کی تصریح کہیں نہیں، ہاں عوام میں شرک موجود تھا، جیسا کہ جیل کے خواب دیکھنے والے تھے۔ عزیز مصر نے بھی اپنی بیوی کو گناہ سے استغفار کرنے کی تلقین کی تھی اور ایک مشرک جبّار بادشاہ یوسف علیہ السلام جیسے شخص کا کبھی اتنا اکرام واعزاز نہیں کرسکتا، جس کا کھلم کھلا کہنا ہو کہ میں نے اس قوم کی ملت کو ترک کر رکھا ہے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتی۔۔۔[1]

اُمت کا اجماع ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں، ان سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہوسکتی۔ وہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ ترین بندے ہوتے ہیں۔ وہ اپنے عزوشرف، حسب ونسب، اعلیٰ اخلاق واعمال، عقل وبصیرت، عزم وہمت اور تمام کمالات میں اتنے اعلیٰ مقام پر فائز ہوتے ہیں کہ کسی نبی مکرم کے دور میں کوئی دوسرا شخص ان کے برابر نہیں ہوتا۔ ان کی تمام زندگی وحی الٰہی کے تابع ہوتی ہے۔ ان کی شخصیت وکردار میں کسی نقص کے احتمال کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی اور نہ ہی نبی سے نبوت کی عصمت کبھی جدا ہوسکتی ہے۔ انبیاء کرام نفس عمارہ کی شورشوں اور اس کے میلانات ورجحانات سے مامون ومحفوظ ہوتے ہیں۔

مولانا نظام الدین اسیرادروی نے **وما ابری نفسی** کی تفسیر کے تحت مفسرین کی طرف سے بیان کردہ اسرائیلیات پر تنقید وتبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قابل غور پہلو یہ ہے کہ یہ گفتگو اس وقت ہو رہی ہے، جب حضرت یوسف علیہ السلام ابھی جیل میں ہیں اور مجلس تحقیق میں موجود نہیں ہیں، سوال یہ ہے کہ اس سلسلہ گفتگو اور سوال وجواب میں (لم اخنہ بالغیب) کا کلام حضرت یوسف علیہ السلام سے کیسے صادر ہوا؟ پھر اس کے بعد والی آیت (**وما ابری نفسی**) جو حضرت یوسف علیہ السلام کا قول بتایا جارہا ہے۔ موقع ومحل کے لحاظ سے یہ غیر موزوں معلوم ہوتا ہے،

---

[1] عبدالسلام بھٹوی، تفسیر القرآن الکریم، بحوالہ مکتبہ شاملہ تحت آیت سورۃ یوسف 52:12

آپ غور فرمائیں کہ جب معاملہ کی تحقیق اور صفائی کا موقعہ ہو، تو اس موقعہ پر بیان کی ادنیٰ سی کمزوری الزام کی صداقت و واقعیت کی طرف ذہن کو لے جاتی ہے اور ایسا بیان کیس کو کمزور کر دیتا ہے، جبکہ قرآن بڑے وزن دار لفظوں میں ان کی صفائی دے رہا ہے، اگر ہم اس کو حضرت یوسف علیہ السلام کا قول قرار دیتے ہیں تو اس صفائی کے بیان میں ایک ادنیٰ سی جھلک بھی اعتراف جرم میں ممد و معاون بن جائے گی اور یہ قرآن کے انداز بیان اور اس کی تصریح کے خلاف ہے، صورت حال کا تقاضا یہی ہے کہ ان دونوں کو زلیخا کا قول قرار دیا جائے۔[1]

مختصرًا یہ کہ عصر جدید کے علماء میں سے علامہ شبیر احمد عثمانی نے حافظ ابن کثیر اور حافظ ابن تیمیہ کی رائے کو ہی قابل قبول لکھا ہے۔ حافظ عبد السلام بھٹوی، مولانا ابو الکلام آزاد، سید قطب شہید، ڈاکٹر اسرار احمد اور امیر محمد اکرم اعوان نے ترجمہ آیات میں اسے عزیز کی بیوی کا کلام قرار دیا ہے۔ مولانا سرفراز خان صفدر نے دو تفسیریں بیان کی ہیں۔ پہلی تفسیر یہ ہے کہ یہ بیان زلیخا کا ہے اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کا ہے۔ اس کے برعکس علامہ بیضاوی، علامہ النسفی، علامہ آلوسی اور متاخرین میں سے مولانا اشرف علی تھانوی، مفتی محمد شفیع، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، اور علامہ ابو الحسنات قادری و دیگر نے یوسف علیہ السلام کا کلام قرار دیا ہے۔

## حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی رہائی کے لیے یہ شرط کیوں رکھی؟

جیسا کہ آپ نے گزشتہ سطور میں ملاحظہ فرمایا، حضرت یوسف علیہ السلام پر الزام لگا کر جیل بھیجا گیا تھا۔ چنانچہ آپ ایک ملزم کی حیثیت سے جیل سے باہر نہیں آنا چاہتے تھے، بلکہ اہل مصر پر اپنی بے گناہی اور پاکدامنی ثابت ہو جانے کے بعد عزت و آبرو سے آزاد ہونا چاہتے تھے۔

---

[1] مولانا نظام الدین اسیر اوردی، تفسیروں میں اسرائیلی روایات، صفحہ 227

بقول سید قطب شہید:

مقصد یہ تھا کہ وہ اسباب نکھر کر سامنے آجائیں جن کی وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کو ناحق جیل جانا پڑا تھا تاکہ ان کی بے گناہی کا اعلان ہو جائے اور یہ بات ان کے نئے منصب کے لیے ضروری تھی تاکہ وہ اپنی نئی ذمہ داریاں نہایت اطمینان، نہایت وثوق اور اعتماد سے پوری کریں۔ ان کا نفس مطمئن ہو اور وہ اعتماد کے ساتھ امورِ مملکت سرانجام دیں۔ اب ان کی دعوتی زندگی دو قسم کی سرگرمیوں پر مشتمل تھی۔ ایک مملکت کی ذمہ داریاں اور ایک دعوت اسلامی کی ذمہ داریاں....۔[1]

---

[1] سید قطب شہید، فی ظلال قرآن

# قید خانے سے حکمرانی تک

(ترجمہ آیت) پھر بادشاہ نے حکم دیا یوسف (علیہ السلام) کو میرے پاس لاؤ کہ اسے خاص اپنے لیے مقرر کروں پھر جب بات چیت ہوئی تو کہا آج کے دن تو ہماری نگاہوں میں بڑا صاحب اِقتدار اور امانتدار انسان ہے[1]

یوسف (علیہ السلام) کہنے لگے: مجھے زمین کے خزانوں کا نگران مقرر کر دیجئے میں ان کی حفاظت کرنے والا ہوں اور (یہ کام) جانتا بھی ہوں[2]

اس طرح ہم نے یوسف (علیہ السلام) کو اس سرزمین میں اقتدار عطا کیا، وہ جہاں چاہتے رہتے ہم جسے چاہیں اپنی رحمت سے (ایسے ہی) نوازتے ہیں۔ اور نیک لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتے[3]

یوں جیل خانہ سے رہائی کے بعد یوسف علیہ السلام عزیز مصر بنے، بادشاہ نے تمام امور مملکت مکمل طور پر ان کے سپرد کر دیے۔ ان آیات سے پتا چلتا ہے کہ وہ بادشاہ مصر کے

---

[1] سورۃ یوسف 54:12

[2] سورۃ یوسف 55:12

[3] سورۃ یوسف 56:12

ملازم نہیں، بلکہ مصر کے با اقتدار فرماں روا تھے۔

ڈاکٹر ابو ذر اصلاحی لکھتے ہیں:

''خزائن ارض'' سے مراد وزیر خزانہ، وزیر مالیات، یا وزیر ثمرات لینا یہ بڑی محدود فکر و فہم کا ماحصل ہے۔ اور خصوصاً نبی کے لئے لینا تو اور بڑی نادانی ہے۔ خزائن کی اصطلاح ان معانی میں نہیں آتی۔ بلکہ اس کا مفہوم علماء قرآنیات خود امام راغب جیسے محقق نے خزائن الارض سے مراد خزائن اللہ مقدوراتہ یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت خاص کی تمام چیزیں اور باتیں لی ہیں۔ پھر قرآن کا سیاق وسباق اور نبی علیہ السلام کی سیرت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ ایک جلیل القدر انسان نے ایک کم تر منصب جسے وزیر مالیات کہتے ہیں کا مطالبہ کیا ہوگا۔ ان تمام قرائن سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ آنجناب نے ایک محدود منصب کا مطالبہ نہیں، بلکہ مکمل اختیارات کا مطالبہ کیا تھا۔ اور جب شاہ مصر نے انہیں وہ اختیارات سونپ دئے تو آپ نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ (سورۃ یوسف 101:12) پروردگار تو نے مجھے حکومت بخشی۔'' اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خزائن سے مراد اقتدار تھا۔ آپ پورا قرآن دیکھ جائیے کہیں بھی آپ کو یہ لفظ مالیات کے معنی میں نہ ملے گا۔ اس نے مالیات کے لیے مال کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ (سورۃ الھمزہ 2:104) عرف عام میں جسے ہم خزانہ کہتے ہیں اس کے لئے قرآن نے کنوز کا لفظ استعمال کیا ہے۔۔[1]

تورات میں بھی یہی لکھا ہے کہ یوسف علیہ السلام بااختیار حکمران تھے اور بادشاہ مصر نے ان کو سارے ملک مصر کا حاکم مقرر کیا تھا۔

---

[1] مصری حکومت اور حضرت یوسف علیہ السلام www.zindgienau.com/issues/2016/july2016

تورات[1] میں ہے:

چنانچہ فرعون نے یوسف سے کہا: میں تجھے سارے ملک مصر کا حاکم مقرر کرتا ہوں۔تب فرعون نے اپنی انگلی سے اپنی مہر والی انگوٹھی اتار کر یوسف کی انگلی میں پہنادی۔اس نے اسے نہایت اعلیٰ درجہ کی نفیس قبا سے آراستہ کیا اور اس کے گلے میں سونے کا طوق پہنایا۔اس نے اسے نائبُ السلطنت کی حیثیت سے اپنے دوسرے رتھ میں سوار کیا اور اس کے آگے آگے یہ منادی کروائی کہ سب دوزانو ہو جاؤ۔ یوں فرعون نے اُسے سارے ملک مصر کا حاکم بنادیا۔"

"اس کے بعد فرعون نے یوسف سے کہا: میں فرعون ہوں لیکن سارے ملک مصر میں کوئی شخص تیرے حکم کے بغیر ہاتھ یا پاؤں نہ ہلا سکے گا۔اور فرعون نے یوسف کا نام صفنات فعنیح رکھا اور اس نے اون (شہر) کے پجاری فوطیفرع کی بیٹی آسناتھ کو اس سے بیاہ دیا اور یوسف مصر کے تمام ملک میں دورہ کرنے لگا۔[2]

قحط کے سالوں کے آغاز سے قبل اون کے پجاری فوطیفرع کی بیٹی آسناتھ کے ہاں

---

[1] قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے۔اس کی آمد کے بعد تمام سابقہ آسمانی کتابیں منسوخ ہو چکی ہیں۔کیونکہ سابقہ اقوام نے ان کتابوں میں بہت زیادہ تحریف کر دی تھی۔اب قرآن کریم ہی قیامت تک کے آنے والے لوگوں کے لیے ضابطہ حیات قرار دیا گیا ہے۔اس کتاب میں جو اقتسابات تورات سے لیے گئے ہیں، مؤلف، تورات و انجیل کے صرف انھی حصوں سے متفق ہے جو قرآن سے مطابقت رکھتے ہیں۔اور جو حصے قرآن سے مطابقت نہیں رکھتے، وہ لوگوں کا کلام ہے جو ان میں داخل کر دیا گیا ہے۔بہر کیف قرآن کریم کو سامنے رکھ کر ان سابقہ آسمانی کتابوں میں تحریف و ملاوٹ کو الگ الگ کیا جا سکتا ہے۔

[2] پیدائش 44:41

یوسف کے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ یوسف نے اپنے پہلوٹھے کا نام منسی یہ کہہ کر رکھا کہ خدا کی مہربانی سے میں نے اپنی اور اپنے باپ کے گھرانے کی ساری مشقت بھلا دی ہے اور اس نے اپنے دوسرے بیٹے کا نام افرائیم یہ کہہ کر رکھا کہ خدا نے مجھے اس ملک میں برومند کیا جہاں میں نے مصیبت اٹھائی۔[1]

[1] پیدائش 50:41

# برادرانِ یوسف علیہ السلام مصر میں

(کچھ عرصہ بعد) یوسف (علیہ السلام) کے بھائی مصر آئے اور یوسف (علیہ السلام) کے پاس حاضر ہوئے۔ یوسف (علیہ السلام) نے تو انھیں پہچان لیا مگر وہ انھیں نہ پہچان سکے [1]

مفسرین کے مطابق:

حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر کے خزانوں پر مکمل اختیار و قدرت حاصل تھی۔ آپ علیہ السلام نے جس قحط کی پیشین گوئی کی تھی، سلطنت مصر میں اس قحط سالی کی ابتدا ہو چکی تھی جس کا انتظام پہلے ہی حضرت یوسف علیہ السلام کو بتا دیا گیا تھا۔ یہ قحط سالی صرف مصر تک ہی محدود نہ رہی بلکہ مصر کے قرب و جوار کے علاقے بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکے جس میں کنعان (فلسطین) بھی شامل تھا۔ چنانچہ یعقوب علیہ السلام اور ان کے اہل خانہ کو بھی تنگی لاحق ہوئی تو آپ نے (سوائے بنیامین کے) اپنے دس صاحبزادوں کو مصر روانہ کیا کہ غلہ خرید کر لائیں۔ تعمیل ارشاد میں برادرانِ یوسف علیہ السلام مصر روانہ ہوتے ہیں۔ انہیں کیا خبر تھی کہ جس بھائی کے پاس غلہ لینے جا رہے ہیں، وہ بچپن میں اس کو اندھے کنویں میں پھینک کر گھناؤنے جرم کا ارتکاب کر چکے ہیں، اور اب وہ سلطنتِ مصر کا مالک و مختار ہے۔

---

[1] سورۃ یوسف 58:12

حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کے مصر آنے کا قوی امکان اور انتظار بھی تھا کیونکہ کنویں میں آپ کو بذریعہ وحی مطلع کر دیا گیا تھا کہ ایک وقت آئے گا جب تو ان لوگوں کو ان کی یہ حرکت جتائے گا۔ الغرض جب وہ دربار یوسف علیہ السلام میں پیش ہوئے تو یوسف علیہ السلام نے ان کو پہچان لیا البتہ وہ یوسف علیہ السلام کو نہ پہچان سکے۔ کیونکہ ان کو جدا ہوئے طویل مدت گزر چکی تھی۔

آپ نے بھائیوں سے ان کے خاندان کے حالات معلوم کر لیے اور ان کو غلہ بھی پورا پورا دے دیا اور ان کی مہمان نوازی بھی خوب کی۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے طرز گفتگو بھی ایسا اختیار کیا کہ انھیں وہم بھی نہ ہو۔ ان سے پوچھا کہ تم لوگ میرے ملک میں کیسے آ گئے؟ انھوں نے کہا یہ سن کر کہ آپ علیہ السلام غلہ عطا فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے تو شک ہوتا ہے کہ کہیں تم جاسوس نہ ہو؟ انھوں نے کہا معاذ اللہ ہم جاسوس نہیں۔ فرمایا تم رہنے والے کہاں کے ہو؟ کہا کنعان کے اور ہمارے والد صاحب کا نام یعقوب نبی اللہ ہے۔ آپ نے پوچھا تمہارے سوا ان کے اور لڑکے بھی ہیں؟ انھوں نے کہا ہاں ہم بارہ بھائی تھے۔ ہم میں جو سب سے چھوٹا تھا اور ہمارے باپ کی آنکھوں کا تارا تھا وہ تو ہلاک ہو گیا۔ اسی کا ایک بھائی اور ہے۔ اسے باپ نے ہمارے ساتھ نہیں بھیجا بلکہ اپنے پاس ہی روک لیا ہے کہ اس سے ذرا آپ کو اطمینان اور تسلی رہے۔ ان باتوں کے بعد آپ نے حکم دیا کہ انھیں سرکاری مہمان سمجھا جائے اور ہر طرح خاطر مدارات کی جائے اور اچھی جگہ ٹھہرایا جائے۔ [1]

آپ (علیہ السلام) نے ان کو غلہ دیتے وقت چپکے سے ان کی جمع پونجی بھی لوٹا دی اور کہا کہ اپنے سوتیلے بھائی کو بھی میرے پاس لانا ورنہ میرے پاس نہ آنا۔ جب وہ گھر پہنچے تو ساری

---

[1] حافظ عماد الدین اسماعیل دمشقی، تفسیر ابن کثیر

روئداد اپنے باپ کو سنائی اور اپنے سوتیلے بھائی (بنیامین) کو بھی ساتھ لے جانے کے لیے باپ کی اجازت مانگی، حضرت یعقوب علیہ السلام نے انکار کر دیا بشرطیکہ جب تم خدا کے نام پر یہ عہد نہ دو کہ تم اس کو ضرور میرے پاس لے آؤ گے الّا یہ کہ تم سب گھیر لیے جاؤ۔ انھوں نے ان کو اپنا قول دے دیا۔ یعقوب علیہ السلام نے کہا میرے بیٹو تم ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا۔ ساتھ ہی فرمایا میں تم کو اللہ کی کسی بات سے نہیں بچا سکتا حکم تو بس اللہ کا ہی ہے۔ میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور بھروسہ کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

جب وہ دوسری بار یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو آپ نے اپنے سگے بھائی بنیامین کو بتا دیا کہ میں تمہارا بھائی یوسف ہوں۔ پھر جب ان کا سامان تیار کروایا تو پینے کا پیالہ اپنے بھائی کے سامان میں رکھ دیا۔ سامان لے کر چلے گئے تو پیچھے سے ایک پکارنے والے نے ان کو پکارا کہ ہم شاہی پیمانہ نہیں پا رہے۔ انھوں نے کہا کہ ہم اس ملک میں فساد کرنے نہیں آئے اور نہ ہم کبھی چور تھے۔ پھر چھوٹے بھائی (بنیامین) کے تھیلے سے اسے برآمد کر لیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے بھائی کو یوسف علیہ السلام کے پاس رکھنے کی تدبیر کی۔ بھائیوں نے کہا اس سے پہلے اس کا بھائی بھی چوری کر چکا ہے۔ یوسف علیہ السلام نے اس بات کو اپنے دل میں رکھا اور اس کو ان پر ظاہر نہیں کیا۔ اپنے دل میں کہا تم خود ہی برے لوگ ہو۔ کہنے لگے عزیز اس کا باپ بہت بوڑھا ہے سو تو اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو رکھ لے۔ یوسف علیہ السلام نے کہا اللہ کی پناہ کہ ہم اس کے علاوہ کسی کو پکڑیں۔

جب وہ ناامید ہو گئے تو ان کے بڑے (بھائی) نے کہا تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے باپ نے اللہ کے نام پر پکا اقرار لیا ہے۔ میں تو اس زمین سے ہرگز نہ ٹلوں گا تم لوگ باپ کے پاس جاؤ اور کہو کہ اے ہمارے باپ تیرے بیٹے نے چوری کی ہے اور بستی کے لوگوں

سے پوچھ لے جہاں ہم تھے اور اس قافلہ سے پوچھ لے جس کے ساتھ ہم آئے ہیں ۔ باپ نے کہا تم نے اپنے دل سے ایک بات بنالی ہے ۔ اور کہا ہائے یوسف ، اور غم سے یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں سفید پڑگئیں ۔

غنیؔ روزِ سیاہ پیرِ کنعان را تماشا کن

کہ نورِ دیدہ اش روشن کند چشمِ زلیخا را

(غنی کاشمیری)

(ترجمہ) غنی! کنعان کے بزرگ کی زندگی کے دن بھی کتنے اندھیرے ہو گئے! ان کی آنکھوں کے نور (یوسف علیہ السلام) سے روشنی زلیخا کی آنکھیں حاصل کرتی رہیں!

یعقوب علیہ السلام نے کہا میں اپنی پریشانی اور اپنے غم کا شکوہ صرف اللہ سے کرتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ۔ اے میرے بیٹو، جاؤ یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائی کی تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو ۔ اللہ کی رحمت سے صرف منکر ہی ناامید ہوتے ہیں ۔

## یعقوب علیہ السلام کا خط شاہِ مصر کے نام

تفسیر مظہری میں بحوالہ تفسیر بغوی نقل کیا گیا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب سنا کہ بنیامین کو روک لیا گیا تو ایک خط لکھ کر بیٹوں کے ہاتھ حضرت یوسف علیہ السلام کو بھجوایا ۔ یہ بیٹوں کے مصر کی طرف تیسرے سفر کا ذکر ہے ۔

**خط کا متن یہ ہے:** یعقوب اسرائیل (عبداللہ) بن اسحاق ذبیح اللہ[1] بن ابراہیم خلیل اللہ کی طرف سے شاہ مصر کے نام! حمد و ستائش کے بعد واضح ہو کہ ہم ایسے گھرانے والے ہیں جو ہمیشہ سپرد مصائب رہے ہیں۔ میرے دادا حضرت ابراہیم کو ہاتھ پاؤں باندھ کر ان کو آگ میں ڈالا گیا، پھر اللہ نے اس آگ کو ان کیلئے ٹھنڈا اور سلامتی والا بنا دیا۔ میرے باپ کے ہاتھ پاؤں باندھ کر انکی گردن پر چھری رکھ دی گئی تا کہ انکو ذبح کر دیا جائے۔ مگر اللہ نے ان کا فدیہ (جنت سے مینڈھے کی شکل میں) بھیج دیا (اور ان کو محفوظ رکھا) اب رہا میں تو میرا ایک بیٹا تھا جو سب اولاد سے مجھے پیارا تھا۔ اس کے بھائی اس کو جنگل میں لے گئے، پھر (شام کو) اس کا خون آلود کرتا لا کر مجھے دے دیا اور کہا: اس کو بھیڑیے نے کھالیا۔ اس پر روتے روتے میری آنکھیں جاتی رہیں۔ پھر میرا ایک بیٹا اور تھا جو مرحوم کا ماں جایا بھائی تھا، میں اس کو دیکھ کر تسلی حاصل کر لیتا تھا۔ اب آپ نے اس کو روک لیا اور یہ خیال کیا کہ اس نے چوری کی ہے۔ ہم ایسے خاندان والے ہیں جو چوری نہیں کرتے نہ چور ہمارے ہاں پیدا ہوتا ہے۔ اگر آپ میرے بیٹے کو مجھے واپس کر دیں تو بہتر ہے ورنہ آپ کو ایسی بد دعا دوں گا کہ اس کا اثر آپ کی ساتویں نسل تک پڑے گا۔ حضرت یوسف نے خط پڑھا تو آنسوؤں کو روک نہ سکے اور سامنے آ کر فرمایا: هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ (سورۃ یوسف 89:12) (ترجمہ) حضرت یوسف (علیہ السلام) نے کہا کیا تمہیں معلوم ہے؟ جو تم نے یوسف (علیہ السلام) اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا، جب تم جاہل تھے۔[2]

---

[1] اس بارے میں اختلاف ہے کہ ذبیح اللہ کون ہیں؟ اسماعیل علیہ السلام یا اسحاق علیہ السلام۔ لیکن علمائے اسلام کی اکثریت کا مؤقف ہے اور راجح یہی ہے کہ ذبیح سے مراد سیّدنا اسماعیل علیہ السلام ہیں نا کہ سیّدنا اسحاق علیہ السلام۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ کیجئے https://urdufatwa.com/view/21257 و دیگر کتب

[2] قاضی ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری

یہودیوں کی مقدس کتاب تالمود میں بھی اس خط کا ذکر ہے جو حضرت یعقوب (علیہ السلام) کی طرف سے شاہ مصر حضرت یوسف علیہ السلام کو بنیامین کی رہائی کے لیے لکھا گیا لیکن اس خط کا متن مختلف ہے۔[1]

پھر جب وہ یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے انہوں نے کہا اے عزیز، ہم کو اور ہمارے گھر والوں کو بڑی تکلیف پہنچ رہی ہے اور ہم تھوڑی پونجی لے کر آئے ہیں اور ہم کو پورا غلہ دے اور ہم کو صدقہ بھی دے۔ اس وقت یوسف علیہ السلام نے کہا کیا تم کو خبر ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا جب تم کو سمجھ نہ تھی۔ انھوں نے کہا، کیا سچ مچ تم ہی یوسف ہو؟[2]

## بادشاہ کا پیالہ

### تفسیر درمنثور کے مطابق:

ابن جریر وابن ابی حاتم وابوالشیخ رحمہم اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ہاتھ میں ایک برتن تھا۔ پیالہ بادشاہ کے پاس لایا گیا جس میں وہ پیتا تھا، اس کو اس کے ہاتھ پر رکھ دیا گیا آپ اسے ٹھوکر مارتے تو وہ بجنے لگ جاتا پھر وہ ٹھوکر مارتے تو بجنے لگتا یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ پیالہ مجھ کو تمہاری طرف سے خبر دے رہا ہے کہ تمہارا باپ شریک ایک بھائی تھا جس کو یوسف کہا جاتا تھا اور اس کا باپ تمہاری نسبت اس سے زیادہ محبت کرتا تھا۔ تم اس کو لے گئے تھے اور اس کو ایک کنویں میں ڈال دیا تھا اور تم نے اپنے باپ کو یہ بتایا تھا کہ بھیڑیا اس کو کھا گیا ہے اور تم اس کی قمیص پر جھوٹا خون لگا کر لائے تھے، تو (یہ سن کر) ان کے بعض نے بعض کی طرف دیکھنا شروع کیا، اور وہ تعجب

---

[1] تالمود، صفحہ 74

[2] سورۃ یوسف 12:89-88

کررہے تھے کہ یہ پیالہ ان کی خبریں بتا رہا ہے۔ اس کو یہ کیسے علم ہوگیا[1]

ایسی روایات کی صداقت کیا ہے؟ اس کی اصل حقیقت اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔

الغرض بھائیوں نے تسلیم کیا کہ اللہ نے آپ کو ہمارے اوپر فضیلت دی ہے اور بیشک ہم غلطی پر تھے۔ یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کی بیوفائیوں اور جفاؤں کا تذکرہ نہیں کیا، شکوہ شکایت نہیں کی بلکہ فرمایا:

"آج تم پر کوئی الزام نہیں، اللہ تم کو معاف کرے اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے"۔[2]

[1] جلال الدین سیوطی، درمنثور

[2] سورۃ یوسف 92:12

# خاندانِ یعقوب علیہ السلام کی مصر میں آبادکاری

(ترجمہ آیت) یہ میرا کرتہ لے جاؤ اور اسے والد صاحب کے منہ پر ڈال دو۔ وہ بینا ہو جائیں گے۔ اور اپنے تمام اہل وعیال کو میرے پاس لے آؤ۔[1]

اور جب قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا تو ان کے والد کہنے لگے کہ اگر مجھ کو یہ نہ کہو کہ (بوڑھا) بہک گیا ہے تو مجھے تو یوسف علیہ السلام کی بو آرہی ہے۔ وہ بولے کہ واللہ آپ اسی قدیم غلطی میں مبتلا ہیں۔ جب خوشخبری دینے والا آپہنچا تو کرتہ یعقوب (علیہ السلام) کے منہ پر ڈال دیا اور وہ بینا ہو گئے (اور بیٹوں سے) کہنے لگے کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں خدا کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے؟

یوسفِ گُم گشتہ باز آید بہ کنعان، غم مخُور

کلبۂ احزان شَوَد روزی گلستان، غم مخور

(حافظ شیرازی)

---

[1] سورۃ یوسف 93:12

(ترجمہ) کھویا ہوا یوسف کنعان واپس آجائے گا،غم زدہ نہ ہو۔ تیرا ویران گھر پھر گلستاں بنے گا،غم زدہ نہ ہو۔

''بیٹوں نے کہا کہ ابّا ہمارے لیے ہمارے گناہوں کی مغفرت مانگیں بیشک ہم خطاکار تھے۔ انھوں نے کہا میں اپنے پروردگار سے تمہارے لیے بخشش مانگوں گا۔ بیشک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ جب (یہ سب لوگ) یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو اپنے پاس بٹھایا اور کہا مصر میں داخل ہو جائیے۔ خدا نے چاہا تو خاطر جمع سے رہیئے گا اور اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا اور سب یوسف علیہ السلام کے آگے سجدے میں گر پڑے (اس وقت یوسف (علیہ السلام) نے کہا) ابّا جان! یہ میرے اس خواب کی تعبیر ہے جو میں نے پہلے (بچپن میں) دیکھا تھا میرے پروردگار نے اسے سچ کر دیا۔ اور اس نے مجھ پر (بہت سے) احسان کیے ہیں کہ مجھ کو جیل خانے سے نکالا اور اس کے بعد کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں فساد ڈال دیا تھا۔ آپ کو گاؤں سے یہاں لایا۔ بیشک میرا پروردگار جو چاہتا ہے تدبیر کرتا ہے۔ وہ دانا (اور) حکمت والا ہے۔ (جب یہ سب باتیں ہولیں تو یوسف علیہ السلام نے خدا سے دعا کی کہ) اے میرے پروردگار تو نے مجھ کو حکومت سے بہرہ ور کیا اور خوابوں کی تعبیر کا علم بخشا۔ اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے تو مجھے (دنیا سے) اپنی اطاعت (کی حالت) میں اٹھائیو اور (آخرت میں) اپنے نیک بندوں میں داخل کیجیئو۔ یہ قصہ مکمل کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب فرمایا: اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ اخبار غیب میں سے ہیں۔ جو ہم تمہاری طرف بھیجتے ہیں اور جب برادرانِ یوسف نے اپنی بات پر اتفاق کیا تھا اور وہ فریب کر رہے تھے تو تم ان کے پاس تو نہ تھے''۔

## مصر میں خاندانِ یعقوب علیہ السلام کو کہاں آباد کیا گیا؟

اس میں بہت اختلاف ہے کہ خدا کے پیغمبر حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد گرامی حضرت یعقوب علیہ السلام اور پورے خاندان کو مصر میں کہاں آباد کیا؟ بعض کے مطابق ان کی رہائش اس مقام پر تھی جسے تھیبس کہا جاتا تھا جو قدیم مصر کا دارالحکومت بھی تھا۔لیکن زیادہ صحیح یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ جشن یا جوشن[1] نامی علاقے میں رہائش پذیر تھے۔اب اس وادی کو وادی الطمیلا ت کے نام سے جانا جاتا ہے، جو ایک زرعی وادی ہے۔

جوشن ایسی جگہ تھی جو دارالحکومت سے دور تھی۔ یوسف علیہ السلام کی اپنے خاندان کو اس مقام پر بسانے کی ایک وجہ اس علاقہ کا زرعی ہونا بھی ہوسکتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے وہ چاہتے ہوں کہ ان کا خاندان مصری بدتہذیبی اور مشرکانہ عقائد سے الگ تھلگ رہیں۔بقول مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی: اس سے حضرت یوسف علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح مصریوں سے الگ رہنے میں بنی اسرائیل اپنی زندگی پر قائم، مصری بت پرستی سے متنفر، مصری بداخلاقی اور مبتذل شہری عادات وخصائل سے محفوظ رہیں گے اور اپنی شجاعانہ بدویانہ زندگی کو کبھی نہیں بھولیں گے[2]

---

[1] تالمود صفحہ 80

[2] مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی، قصص القرآن

# یوسف علیہ السلام کی اِمراۃِ عزیز سے شادی کی تحقیق

(ترجمہ آیت) دونوں دروازے کی طرف دوڑے اور اس عورت نے یوسف (علیہ السلام) کا کرتا پیچھے کی طرف سے کھینچ کر پھاڑ ڈالا اور دروازے کے پاس اس کا شوہر دونوں کو مل گیا تو کہنے لگی جو شخص تیری بیوی کے ساتھ بُرا ارادہ کرے بس اس کی سزا یہی ہے کہ اسے قید کر دیا جائے یا اور کوئی دردناک سزا دی جائے۔[1]

اس آیت کی تفسیر آپ گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں۔سوال یہ ہے کہ عزیزِ مصر کی وفات کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کی اِمراۃِ عزیز سے شادی کی حقیقت کیا ہے؟

اس سلسلے میں پہلی بات یہ ہے کہ ایک طرف تو بعض تفاسیر، تواریخ اور قصے کہانیوں کی کتابیں ہیں جن میں امراۃِ عزیز کے عشق کی داستانیں تحریر ہیں۔لیکن دوسری طرف قرآنی متن ہے جو ایک مختلف شکل پیش کرتا ہے۔وہ یہ کہ امراۃ عزیز نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دعوتِ گناہ دی، ناکامی کی صورت میں دامن یوسف علیہ السلام پر جھوٹی تہمت لگا دی، پھر خود ہی فوراً اس اقدام کی سزا بھی تجویز کر دی اور بعد ازاں خواتین کی ضیافت میں اپنی نفسانی خواہش کا دوبارہ اظہار بھی کر دیا۔یہ وہ سوالات ہیں جو اس حوالے سے وضاحت طلب ہیں کہ کیا امراۃِ عزیز کو یوسف علیہ السلام

---

[1] سورۃ یوسف 25:12

سے واقعی محبت تھی یا اس کی گمراہی اور اخلاقی انحراف کی وجہ صرف یوسف علیہ السلام کا حسن تھا جس نے اس کو مسحور کر دیا تھا یا اس نے نفسانی خواہش سے مجبور ہو کر یہ معاملہ کیا وغیرہ۔؟

چنانچہ اس باب میں مفسرین کرام کے درمیان بہت اختلاف واقع ہوا ہے بعض کا مؤقف ہے کہ یوسف علیہ السلام کی عزیز مصر کی عورت کے ساتھ شادی کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ تاہم بعض مفسرین کہتے ہیں کہ عزیز مصر کی وفات کے بعد بادشاہِ مصر نے ان کی شادی کر دی تھی۔

## ایک مؤقف:

ابن جریر طبری (310ھ) لکھتے ہیں:

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے باقی اصل حقیقت اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ انہی دنوں میں اطفیر (عزیز مصر) کا انتقال ہو گیا اور بادشاہ مصر یعنی ریان بن ولید نے اس کی بیوی راعیل کا نکاح یوسف علیہ السلام سے کر دیا۔ جب وہ آپ علیہ السلام کے پاس آئی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کیا اس طرح ہمارا جمع ہونا اس سے بہتر نہیں جو طریقہ تم نے اختیار کیا تھا؟ کہا جاتا ہے کہ اس عورت نے جواب میں کہا اے راست باز انسان! تم مجھے ملامت نہ کرو کیونکہ جب تم دیکھ رہے ہو کہ میں ایک حسین و جمیل عورت ہوں اور مال و دولت کی فراوانی میں پلی ہوں..... اور تمہیں اللہ تعالیٰ نے اتنا حسین و جمیل جان و جسم عطا کیا ہے اس وجہ سے میں نفس سے مغلوب ہو گئی۔[1]

امام قرطبی (671ھ) لکھتے ہیں:

ان راتوں میں قطفیر ہلاک ہو گیا، تو حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز کی بیوی راعیل سے شادی کر لی جب آپ اس کے پاس گئے تو آپ نے کہا، کیا یہ اس سے بہتر نہیں جو تو چاہتی تھی؟

---

[1] ابن جریر طبری، تاریخ طبری جلد اوّل صفحہ 245

اس نے کہا: اے صدیق! مجھے ملامت نہ کرو، میں حسین وجمیل اور نرم و نازک عورت تھی جس طرح کہ آپ نے دیکھا...... اور آپ کو جو اللہ تعالیٰ نے حسن عطا فرمایا تھا اس کی وجہ سے میرا نفس مجھ پر غالب آ گیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام...... کے... اس سے دو بچے پیدا ہوئے: اِفرائیم بن یوسف اور منشا بن یوسف۔ وہب بن منبہ نے کہا: حضرت یوسف علیہ السلام کی شادی زلیخا جو کہ عزیزِ مصر کی بیوی تھی کے ساتھ بھائیوں کے کہنے پر ہوئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زلیخا کا شوہر مر گیا اور حضرت یوسف علیہ السلام قید خانہ میں تھے، اس کا مال ضائع ہو گیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے روتے روتے اس کی بینائی جاتی رہی، لوگ اس سے دور ہو گئے، بعض اس پر رحم کرتے اور بعض رحم نہ کرتے تھے۔

امام قرطبی مزید رقمطراز ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام اپنی قوم کے ایک لاکھ لوگوں کے ساتھ ہر ہفتے کچہری لگاتے۔ زلیخا کو کہا گیا تو اپنی بات ان کے سامنے بیان کرنا شاید آپ تیرا مسئلہ حل کر دیں، پھر اسے کہا گیا: ایسا مت کرنا ہو سکتا ہے تیری طرف سے جو بہلاوا اور قید والا معاملہ ہوا تو وہ انہیں یاد آ جائے تو وہ تیرے ساتھ ناروا سلوک کریں گے۔ زلیخا نے کہا: میں اپنے حبیب کے اخلاق کو جانتی ہوں۔ جب آپ کچہری میں بلند جگہ پر کھڑے ہوئے تو اس نے با آواز بلند ندا دی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: یہ کون ہے؟ اس کو لے آؤ۔ وہ بولی: جو آپ کی خدمت کرتی تھی، آپ کے بال سنوارتی تھی، میں نے اپنے گھر میں آپ کی تربیت کی، آپ کو عمدہ طریقے سے ٹھہرایا لیکن مجھ سے جہالت کی وجہ سے وہ زیادتی ہو گئی۔ سو میں نے اپنے کیے کی مصیبت کو پا لیا، میرا مال ضائع ہو گیا، میری ذلت و رسوائی کا سلسلہ دراز ہو گیا، بصارت چلی گئی، ان میں سے کوئی میرے ساتھ مہربانی سے پیش آتا ہے اور کوئی مہربانی نہیں کرتا۔۔۔ پھر زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف سے دو بچے پیدا کیے۔ ایک افرائیم اور

دوسرا امنشاء۔۔۔[1]

جلال الدین سیوطی (911ھ) لکھتے ہیں:

امام ابوالشیخ رحمہ اللہ نے حضرت عبدالعزیز بن منبہ عن ابیہ کے سلسلہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں عزیز کی بیوی کی ملاقات یوسف علیہ السلام سے راستہ پر ہوئی تو اس نے کہا شکر ہے اس خدا کا جس نے معصیت کی وجہ سے بادشاہوں کو غلام بنایا اور اپنی اطاعت کی وجہ سے غلاموں کو بادشاہ بنایا۔ آپ علیہ السلام نے اسے پہچان لیا۔ پھر اس سے نکاح کیا...[2]

امام غزالی (1111ء) لکھتے ہیں:

زلیخا مغرب کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کی بیٹی تھی کہ جس کا نام طیموس تھا اور زلیخا کے زمانے میں کوئی عورت زلیخا سے حسن میں زیادہ نہ تھی۔ زلیخا نے خواب میں یوسف علیہ السلام کی صورت اس حالت میں دیکھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام زلیخا کے پاس کھڑے ہیں ان کے حسن و جمال کو دیکھتے ہی زلیخا کی عقل جاتی رہی فی الفور آنکھ کھل گئی اور زلیخا کو ہوش وحواس سے کچھ سروکار نہ تھا عقل بالکل دور ہوگئی تھی۔ ابھی زلیخا کی شادی بادشاہ قطیفور سے نہیں ہوئی تھی اور نو برس کی عمر تھی کہ زلیخا خواب میں یوسف کی صورت کو دیکھ کر یوسف کی صورت پر عاشق ہوگئی اور یوسف علیہ السلام کے عشق کے سبب سے زلیخا کا جسم بالکل دبلا اور پتلا ہو گیا اور ہڈیاں پتلی پتلی ہوگئیں اور چہرہ زرد ہوگیا اور رنگ بدل گیا۔ پھر زلیخا نے دوسرے سال یوسف علیہ السلام کو خواب میں دیکھا۔ زلیخا نے یوسف علیہ السلام سے کہا جس نے تجھے یہ صورت دی ہے اور جس نے مجھے تجھ پر عاشق اور فریفتہ کر دیا ہے۔ تجھے اسکے حق کی قسم مجھے بتا دے کہ تو کون ہے اور تجھے میں کہاں ڈھونڈوں اور تو کس کے لیے ہے۔ یوسف علیہ السلام نے کہا میں

---

[1] ابو عبداللہ محمد بن احمد بن ابو بکر قرطبی، تفسیر قرطبی جلد پنجم، صفحہ 227۔228

[2] جلال الدین سیوطی، تفسیر درمنثور جلد چہارم، صفحہ 73

انسان ہوں اور میں تیرے لیے ہوں۔۔یوسف علیہ السلام نے زلیخا سے کہا تو مجھے مصر میں ڈھونڈ۔میں ملک مصر کا بادشاہ ہوں۔۔۔۔[1]

متاخرین مفسرین میں سے بعض نے انہی بزرگوں کی تحریروں سے استفادہ کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ امراۃ عزیز کو حضرت یوسف علیہ السلام سے شدید محبت تھی وہ نہیں چاہتی تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو کوئی Capital Punishment دی جائے۔اور یہ کہ یوسف (علیہ السلام) پر زلیخا دل وجان سے عاشق ہوگئی تھی۔اس لیے سزا بھی تجویز کی تو ایسی جس میں ان کو زیادہ تکلیف نہ ہو اور پھر یہ آنکھوں سے اوجھل بھی نہ رہیں گے مگر فوراً اس کہنے کے بعد اس کے دل میں خیال آگیا کہ اس بات سے میری برأت پوری نہیں ہوگی عزیز مصر دل میں تاڑ جائے گا کہ یہ شرارت اسی عورت کی طرف سے ہے۔یہی یوسف (علیہ السلام) پر فریفتہ ہے اس لیے جلدی سے یہ بھی کہہ دیا کہ یا اس کو سخت عذاب و تکلیف دینی چاہیے گو اس کا دل تو نہیں چاہتا تھا کہ یوسف (علیہ السلام) کا ایک بال بھی بیکا ہو مگر پردہ داری کے خیال سے اس کو کہنا ہی پڑا کہ ان کو درے وغیرہ کی سخت سزا ملنی ضرور ہے۔[2]

زلیخا نے قید اور تکلیف کا تو ذکر کیا مگر یہ نہ کہا کہ اس کو قتل کر دیا جائے اس لیے کہ اس کا دل قتل پر آمادہ نہ تھا اور مستقل قیدی بنانے پر بھی آمادہ نہ تھا بلکہ یہ چاہتی تھی کہ صرف دو تین دن کے لیے اس کو جیل خانہ بھیج دیا جائے۔[3]

کیونکہ محب یہ نہیں چاہتا کہ اس کے محبوب کو اذیت پہنچائی جائے اس عورت نے

---

[1] ابو حامد محمد غزالی، تفسیر سورہ یوسف، ص 96-97

[2] حافظ محمد سید احمد حسن، تفسیر احسن التفاسیر

[3] مولانا محمد ادریس کاندھلوی، معارف القرآن

صراحتاً یہ نہیں کہا کہ یوسف علیہ السلام کا میرے ساتھ زنا کا ارادہ تھا بلکہ یوں کہا کہ اس نے میرے ساتھ برائی کا ارادہ کیا تھا کیونکہ جب اس نے یہ دیکھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی نوجوانی کی عمر، قوت اور زور کے کمال اور شہوت کی انتہاء کے باوجود اپنے آپ کو گناہ میں ملوث ہونے نہیں دیا۔[1]

(چنانچہ اس نے) دو سزاؤں میں سے ایک سزا دینے کا مطالبہ کیا۔(۱) ان کو قید کیا جائے۔(۲):۔ یا انکو سخت سزا دی جائے۔ان دو سزاؤں کے علاوہ اور بھی دو سزائیں تھیں، جن کا ذکر زلیخا نے نہیں کیا۔(۱):۔ملک بدر کیا جائے۔(۲) قتل کیا جائے،اس کی وجہ یہ ہے کہ زلیخا سمجھتی تھی اگر پہلی دونوں سزاؤں میں سے کسی ایک پر عمل کیا گیا تو وہ اپنا اثر ورسوخ استعمال کر کے اپنی بری خواہش کو منوا سکتی ہے اس لیے اس نے ان دونوں سزاؤں کا ذکر کیا، آخری دونوں کا ذکر نہیں کیا کیونکہ وہ بخوبی جانتی تھی کہ ان میں سے کسی پر عمل کیا گیا تو یوسف علیہ السلام آنکھوں سے اوجھل ہو جائیں گے،اور یوسف علیہ السلام کی جدائی برداشت سے باہر تھی۔واللہ اعلم۔[2]

بعض نے یہاں تک کہا ہے کہ اس بیان میں کسی قسم کی مخالفت کا پہلو نہیں بلکہ اس آیت کریمہ میں بہت سے لطیف پہلو ہیں۔

پہلی لطیف بات یہ ہے کہ زلیخا کو حضرت یوسف (علیہ السلام) سے شدید محبت تھی اور اس کی محبت نے اسے مجبور کیا کہ دو صورتیں ہی سزا کی ہوں۔اوّل اس کے بیان میں سجن آیا اور اس کے بعد کوئی عذاب۔اس لیے کہ محب ایلام محبوب کی سعی نہیں کر سکتا۔اور یہ بھی قابل غور بات ہے کہ اوّل جرم زنا پر حضرت کا نام نہ لے سکی بلکہ من اراد باھلك سوءا۔کہا جس

---

[1] غلام رسول سعیدی، تفسیر تبیان القرآن

[2] عبد القیوم قاسمی، معارف الفرقان

میں حفاظت محبوب مضمر تھی یا "سجن" سے مراد ایک دن یا اس سے کم کی طرف اشارہ تھا۔ اس لیے حبس دائم اس بیان سے نہیں نکلتی۔

دوسری لطیف بات یہ ہے کہ جب زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کی اس عصمت کا اندازہ کیا جو آپ (علیہ السلام) نے ظاہر فرمائی اس کے دل میں آپ (علیہ السلام) کی عظمت بڑھ گئی۔ تو اسے شرم آتی تھی کہ وہ ایسے فرشتہ اور ملک کریم پر برے قصد کا الزام کیسے رکھے تو اس نے تعریضاً من اراد باھلك۔ کہنے پر ہی اکتفا کیا لیکن حضرت یوسف علیہ السلام اپنی پاک دامنی اور صفائے باطن سے بے خوف تھے بنا بریں آپ نے صاف فرما دیا۔[1]

اس نے یوسف علیہ السلام کا صراحۃً ذکر نہیں کیا کہ اس نے اس کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا ہے۔ کیونکہ اس عورت کا مقصد عموم تھا۔ کہ ہر وہ آدمی جو تیرے اہل سے برائی کا ارادہ کرے۔ وہ قید یا عذاب کا مستحق ہے۔ یوسف علیہ السلام کو ڈرانے کیلئے یہ انداز زیادہ بلیغ ہے۔[2]

بعض نے لکھا ہے کہ زلیخا نے سزا اس لیے تجویز کی تا کہ عزیزِ مصر طیش میں آ کر یوسف (علیہ السلام) کو قتل نہ کرا دے، اور وہ آپ سے محروم ہو جائے۔[3]

## دوسرا مؤقف

تاہم بعض مفسرین کے نزدیک صورت حال اس کے برعکس تھی:

### ابوالحسن علی ماوردی اور علامہ آلوسی کی رائے:

مذکورہ روایت جس میں کہا گیا ہے کہ اظفیر وفات پا گیا، اور بادشاہ نے یوسف علیہ السلام کا

---

[1] ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، تفسیر الحسنات

[2] ابو البرکات عبداللہ بن احمد بن محمد النسفی، تفسیر مدارک التنزیل

[3] مفتی احمد یار خاں نعیمی، نور العرفان

نکاح اس کی بیوی راعیل سے کر دیا، پھر یوسف علیہ السلام ........ کے اس سے دو بیٹے افرائیم اور منسی پیدا ہوئے، کے متعلق ابو الحسن علی ماوردی، علامہ آلوسی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اس کی کوئی بنیاد نہیں اور یوسف علیہ السلام کے زلیخا سے نکاح کی خبر محدثین کے نزدیک معتبر نہیں ہے۔[1]

امام غزالی کے بیان کردہ زلیخا کے خواب کے متعلق سلمان منصور پوری لکھتے ہیں کہ یہ بالکل افسانہ اور لغو ہے۔[2]

بعض نے لکھا ہے کہ امراۃ عزیز نے اپنی نفسانی خواہش سے مجبور ہو کر غیر اخلاقی کام کی طرف پیشقدمی کی۔ اور خاوند کو دیکھتے ہی خود معصوم بن گئی اور مجرم تمام تر یوسف (علیہ السلام) کو قرار دے کر ان کے لیے سزا بھی تجویز کر دی۔ حالانکہ مجرم خود تھی۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام کو فوراً اس کے الزام کی تردید کرنی پڑی اور فرمایا کہ خود اس عورت نے انہیں ورغلانے کی کوشش کی تھی۔ میرا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔ اس نے خود خواہش ظاہر کی اور اس بات کی طالب ہوئی اور میرے بھاگنے پر یہ بھی میرے پیچھے لگی ہوئی چلی آئی۔ میرا کرتہ اس کے ہاتھ میں آگیا اس نے پھاڑ لیا۔[3]

سید ابو الاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

یہ جو ہمارے ہاں عام شہرت ہے کہ بعد میں اس عورت سے حضرت یوسف علیہ السلام کا نکاح ہوا، اس کی کوئی اصل نہیں ہے، نہ قرآن میں اور نہ اسرائیلی تاریخ میں۔ حقیقت یہ ہے کہ

---

[1] تفسیر الماوردی، الجزء الثالث، صفحہ 52

[2] قاضی سلیمان منصور پوری، الجمال والکمال، ص 57

[3] حافظ محمد سید احمد حسن، احسن التفاسیر

ایک نبی کے مرتبے سے یہ بات بہت بعید ہے کہ وہ کسی ایسی عورت سے شادی کرے جس کی بداخلاقی کا اس کو ذاتی طور پر تجربہ ہو چکا ہو۔[1]

قاضی محمد سلیمان منصور پوری (جج ریاست پٹیالہ) لکھتے ہیں:

اس واقعہ کو پورے غور اور تدبر سے پڑھنا چاہیے۔ عورت کا کہاں تو وہ شوق وصال۔ کہ خود دروازے بند کیے۔ خود اپنی زبان سے درخواست کی۔ اور جب یوسف علیہ السلام بھاگ چلے۔ تو خود حویلی کے آخری دروازہ تک تعاقب کیا۔ اور کہاں یہ پلٹی۔ کہ شوہر کو دیکھا۔ تو خود مستغیث بن گئی۔ اور خود ہی شوہر کو زندان یا تازیانہ کی سزا بھی سوجھا دی۔ اس واقعہ میں ان فاسقوں کے لیے سخت عبرت ہے۔ جو پرائی (بیگانہ) عورت کی محبت یا وفاداری کے قائل ہوتے ہیں۔ شائد یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ امراۃ عزیز نے یہ بات اپنے حفظ آبرو کے لئے کہی تھی۔ لیکن حقیقت اور ہے اس عورت کو یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی وعفت و معصومی وتقویٰ کامل کا یقین ہو چکا تھا۔ اس لئے عشق شہوانی مبدل بہ انتقام شیطان ہو گیا۔ لہٰذا اب کسی مرد کو بھی کسی غیر عورت کی نسبت صداقت کا بھروسہ نہیں کرنا چاہیے اور کبھی خیال بھی نہیں کرنا چاہیے کہ ایسی لگاوٹ کا مقصد اقتضائے خواہش کے سوا کچھ اور بھی ہوتا ہے۔ اگر ایسا ہوسکتا تو یوسف علیہ السلام جیسے پاک محبوب کے لئے عورت کبھی منہ سے ایسا لفظ نہیں نکال سکتی تھی۔[2]

## مرثد رضی اللہ عنہ اور عناق کا واقعہ:

قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے، بدری صحابی حضرت مرثد بن کنان بن حصین

---

[1] سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن۔

[2] قاضی محمد سلیمان منصور پوری، الجمال والکمال، ص93

الغنوی رضی اللہ عنہ سے متعلق ایک واقعہ نقل کیا ہے:

حضرت مرثد بن ابو مرثد الغنوی رضی اللہ عنہ بڑے بہادر پہلوان تھے ان کی عادت تھی کہ مدینہ منورہ سے چھپ چھپا کر آتے اور ان مسلمان اسیروں میں سے جن کو کفار نے صرف جرم اسلام میں قید کیا ہوا تھا۔ ایک قیدی کو جیل سے نکال کر لے جاتے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ یہ مکہ میں اسی غرض سے آئے ان کو راستے میں عناق مل گئی۔ یہ ایک بدچلن عورت تھی اور قبل از اسلام اس کے تعلقات مرثد رضی اللہ عنہ کے ساتھ بہت گہرے تھے۔

ان کو دیکھ کر پہچان گئی۔ بولی مرثد ہو۔ انھوں نے کہا ہاں۔ بولی خوب۔ میرے ساتھ چلو۔ وہیں رات کو آرام کرنا۔ مرثد رضی اللہ عنہ نے کہا عناق تو کس خیال میں ہے میں مسلمان ہوں اور اسلام میں زنا حرام ہے۔ یہ جواب سنتے ہی عورت کے تیور بدل گئے۔ لگی چلانے۔ لوگو آؤ۔ تمہارا ملزم موجود ہے۔ جو قیدیوں کو نکال لے جایا کرتا ہے۔ یہ سن کر آٹھ آدمی ان کے پیچھے بھاگے۔ یہ ایک غار میں جا چھپے۔۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے مدینہ پہنچ کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے التماس کی کہ میں عناق سے نکاح کرلوں۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب نہ دیا مگر بعد میں آیت اتری۔ (اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً) [1] نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بلا کر یہ آیت سنائی اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ تم اُس سے نکاح نہ کرنا۔۔

یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد قاضی صاحب لکھتے ہیں:

اس قصہ میں ان لوگوں کے لیے سخت عبرت ہے جو غیر عورتوں کی محبت کا یقین کرلیا کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ غیر عورت کی چاہت اور لگاوٹ اس وقت تک رہتی ہے جب تک

---

[1] سورۃ النور 3:24

اسے گمان رہتا ہے کہ وہ اس مرد سے عیش کر سکے گی جہاں عورت کو یہ پتہ چل جائے کہ اب اس کام سے دور رہے گا۔ اس وقت عورت کی ساری محبت فوراً ہی غصہ اور انتقام اور کینہ کشی سے مبدل ہو جاتی ہے۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے سیّدنا یوسف علیہ السلام کے قصہ میں بھی یہی بات سکھلائی ہے۔ کہاں تو امراۃ عزیز کی وہ شیفتگی وہ عشق۔ اور کہاں وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو پاک باز معلوم کرنے کے بعد یہ نفرت کہ شوہر کو کہہ کہہ کر اُن کو جیل میں بھجوایا اور پھر کبھی خبر بھی نہ پوچھی۔[1]

مولانا ڈاکٹر محمد اسلم صدیقی لکھتے ہیں:

''زلیخا نے جو صورتحال پیدا کر دی تھی اس کے پیش نظر اب یہ کسی طرح ممکن نہ تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام خاموش رہتے کیونکہ خاموشی کا مطلب اعتراف گناہ ہوتا اور آنے والے مستقبل میں جو عظیم ذمہ داری حضرت یوسف علیہ السلام کو ادا کرنا تھی اس میں تو اصل قوت ہی آپ (علیہ السلام) کا بے عیب کردار تھا۔ کیونکہ نبوت کا دعویٰ جس کا سراسر تعلق غیب سے ہے اس کی کوئی چیز اگر دلیل بن سکتی ہے تو وہ صرف یہ بات ہے کہ نبوت کا داعی ایسا شخص ہے جس نے زندگی میں نہ کبھی جھوٹ بولا ہے، نہ اس سے کبھی کسی اور گناہ کا صدور ہوا ہے۔ اس کی زندگی باد بہاری کی طرح گزری ہے جس سے ہمیشہ لوگوں نے فائدہ تو اٹھایا ہے لیکن کبھی اس میں گناہ یا ظلم کی کجی نہیں دیکھی۔ اور اس موقع پر حضرت یوسف علیہ السلام کی خاموشی آپ علیہ السلام کی سیرت و کردار کے لیے ایک ایسا داغ چھوڑ دیتی جو کبھی دھل نہیں سکتا تھا۔ اس لیے آپ نے اس کے شوہر کے سامنے برملا فرمایا کہ میں نے تیرے گھر میں کسی خیانت کا ارادہ نہیں کیا کیونکہ میں خائن اور بدکردار نہیں۔ البتہ تیری بیوی نے مجھ پر ڈورے ڈالے اور مجھے بہکانے کی کوشش کی۔ اور آج اس نے مجھے بے بس کر کے اپنی خواہش پر قربان کرنا چاہا اور میں

[1] اصحاب بدر، صفحہ 113

اپنے کردار کی عظمت اور اپنے ایمان کو سلامت لے کر باہر کو بھاگا تاکہ میں اس طلسم سے نکل سکوں اور باہر آپ سے سامنا ہو گیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بیان نے معاملے کو پیچیدہ کر دیا۔ ایک طرف زلیخا کا الزام ہے اور دوسری طرف حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف سے صرف بے گناہی کا دعویٰ نہیں بلکہ زلیخا پر الزام بھی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ان دونوں میں سچا کون ہے، فیصلہ کون کرے؟ ممکن ہے اس موقع پر گھر کے نوکر چاکر بھی جمع ہو گئے ہوں۔ گھر کے کچھ بزرگ افراد بھی موقع کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے وہاں پہنچ گئے ہوں۔ لیکن آخر عزیز مصر پر حقیقت حال واضح ہو گئی اور گواہی نے ثابت کر دیا کہ یہ سراسر زلیخا کی حرکت ہے۔[1]

اس لیے عزیز مصر نے کہا اپنی خطا سے توبہ کرو اور مغفرت طلب کرو۔ مغفرت طلب کرنا یا استغفار، یہ صرف مسلمانوں ہی کا شیوہ نہیں بلکہ غیر مسلم بھی ہمیشہ اپنے گناہوں کی معافی چاہتے اور بخشش مانگتے ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ مسلمان اپنے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہے اور غیر مسلم دیوتاؤں سے کرتے ہیں یا جن قوتوں کو انھوں نے اپنا معبود بنا رکھا ہے۔ یہاں بھی شاید یہی مراد ہے۔ (انوار البیان)

بہر کیف مفسرین کے مطابق یہ صورت حال دیکھ کر عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو مجرم قرار نہیں دیا اس لیے کہ وہ ان کی نیک نفسی اور صالحیت سے واقف تھا وہ برسوں سے اس کے گھر میں رہتے تھے اس کے پیش نظر جو ان کے احوال دیکھے تھے ان کو سامنے رکھتے ہوئے کسی طرح بھی اس کا موقع نہ تھا کہ وہ ان کو مجرم سمجھے اور اپنی بیوی کی تصدیق کرے۔

## قصہ یوسف علیہ السلام اور فارسی ادب:

اہلِ علم جانتے ہیں کہ فارسی ادب نے اس قصے کو افسانہ بنانے میں بہت تقویت دی ہے اور اس کی نشر و اشاعت میں تبلیغی کردار ادا کیا ہے۔

---

[1] مولانا ڈاکٹر محمد اسلم صدیقی، تفسیر روح القرآن

ذرا سی بات تھی، اندیشۂ عجم نے اسے
بڑھا دیا ہے فقط زیبِ داستاں کے لیے

(علامہ ڈاکٹر محمد اقبال)

تاہم فارسی ادب ہی سے تعلق رکھنے والے ڈاکٹر بہرامی محمد کی ''ازدواج یوسف با زلیخا حقیقت یا خرافہ'' کے عنوان سے ''مجلہ حوزہ''[1] میں فارسی زبان میں ایک تحریر شائع ہوئی ہے، جس کا عربی زبان میں ترجمہ مجلہ نصوص معاصرہ مرکز البحوث المعاصرہ فی بیروت میں " زواج یوسف النبی و زلیخا حقیقۃ ام خرافۃ؟[2] کے عنوان سے بھی شائع ہوا ہے۔ جس میں انھوں نے کہا ہے کہ ایسی روایتیں قابل اعتبار نہیں ہیں جو یوسف علیہ السلام اور زلیخا کے نکاح سے متعلق ہیں۔ اس بحث کی پوری تفصیل تو وہاں پر ہی ملاحظہ کی جا سکتی ہے، یہاں صرف اس کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر بہرامی لکھتے ہیں:

عصری دنیا قدیم دنیا سے مختلف نہیں ہے کیونکہ توہم پرستی اپنی مختلف شکلوں میں اب بھی معاشروں کو چلا رہی ہے، اور جدید انسان، تکنیکی ذرائع اور علوم کے حصول کے باوجود کاہنوں اور نجومیوں کا سہارا لیتا ہے۔ انسانی معاشروں کی پسماندگی کی ایک بڑی

---

[1] مجلہ حوزہ، تابستان، 1388 شمارہ 152، ازدواج یوسف با زلیخا حقیقت یا خرافہ؟ https://hawzah.net/fa/magazine/view/4518/7307/91080/

[2] نصوص معاصرہ، مرکز بحوث الماصرہ فی بیروت، زواج یوسف النبی و زلیخا حقیقۃ أُم خرافتۃ؟ دسمبر 2015 10، ڈاکٹر محمد بہرامی، عربی ترجمہ نظیرہ غلاب دسمبر 10 ,2015، https://nosos.net

وجہ توہم پرستی ہے۔لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ تمام انبیاء کرام (علیہم السلام) اپنی قوم کے افراد میں رائج خرافات کے مقابلے میں کھڑے ہوئے اور انھوں نے ان کی بے راہ روی اور گمراہی کو درست کرنے کی بھرپور کوشش کی۔انبیاء کرام کی کہانیوں میں بعض واقعات افسانوں پر مبنی ہیں، جن کا ماخذ اسرائیلی روایات ہیں۔ان روایات کی صحیح تحقیق نہیں کی گئی، مفسرین کرام نے اس طرح کے معاملات میں نرمی برتی اور ان روایات سے تفسیر کی کتابیں بھر دیں۔وہ تمام روایات جو یوسف علیہ السلام کی زلیخا کے ساتھ شادی کے بارے میں بتاتی ہیں، خواہ وہ فرضی ہوں یا تاریخی تشریحات، وہب بن منبہ کی طرف لوٹتی ہیں۔

ڈاکٹر بہرامی مزید لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام کی زلیخا سے شادی کے قصے میں وہب بن منبہ کی روایت کے علاوہ کوئی حوالہ نہیں ہے۔اور وہب بن منبہ کی روایت اور ابن اسحاق کی روایت میں بھی اختلاف ہے۔ایک نے کہا ہے، عزیز مصر کی بیوی راعیل کے نام سے تھی۔دوسرے نے اسے زلیخا کہا ہے۔بعض ماہرین نے دونوں روایات کو یکجا کرنے اور ان کے درمیان اختلاف کو ختم کرنے کی کوشش کی، انھوں نے کہا راعیل اس کا اصل نام تھا جبکہ زلیخا اس کا عرفی نام تھا۔دوسروں نے کہا اس کا نام زلیخا ہے اور راعیل اس کا عرفی نام ہے۔

اگر زلیخا اور راعیل کے نسب میں اختلاف کا مسئلہ نہ ہوتا تو ان تاویلات کو قبول کرنا اور اپنانا اور اس طرح ان دونوں روایتوں کو جمع کرنا ممکن تھا۔روایات میں ذکر کیا گیا ہے کہ زلیخا کے والد کا نام تملیخا تھا، جب کہ راعیل کے والد کا نام رعابیل تھا، اور ان میں فرق واضح طور پر نظر آتا ہے، جس سے وہب بن منبہ کی روایت اور ابن اسحق کی روایت میں تفاوت اور فرق ہے۔

راوی ابن اسحاق سے کیا مراد ہے اس کو ثابت کرنے کے بعد یہ طے کرنا ممکن نہیں

ہے کہ یہ ایک نام ہے جس میں بہت سے لوگ شریک ہیں۔ ابن اسحاق کے نام کے بہت سے راوی ہیں اور وہ ہیں: سلیمان ابن اسحاق، یعقوب ابن اسحاق، یحییٰ ابن اسحاق، محمد ابن اسحاق، زکریا ابن اسحاق، اور بہت سے دوسرے۔

ابن اسحاق کی روایت کو سلسلہ نقل کے طور پر شمار کرنا ممکن نہیں۔ اس لیے کہ انھوں نے جو الفاظ نقل کیے ہیں جیسے "جو انھیں یاد ہے" "میں نے اسے خدا کی بعض کتابوں میں پایا" "خدا بہتر جانتا ہے۔" "وہ دعویٰ کرتے ہیں"، یہ وہ الفاظ ہیں جو درحقیقت یہ قیاس کرتے ہیں کہ ابن اسحاق نے اس روایت کو مختلف اور نامعلوم افراد سے نقل کیا ہے اور ابن اسحاق کو خود روایت اور اس کے تفصیلی حصوں پر کوئی بھروسہ نہیں تھا۔

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ یوسف علیہ السلام نے راعیل سے شادی کی تھی جبکہ وہب کی روایت میں زلیخا کا نام ذکر کیا گیا ہے۔ اگرچہ بعض نے یہ کہہ کر اس فرق کی وضاحت تلاش کرنے کی کوشش کی ہے کہ عزیز مصر کی عورت کا اصل نام راعیل ہے، جب کہ زلیخا اس کا عرفی نام تھا، اور دوسروں نے اس کے برعکس کہا، یعنی اس کا نام زلیخا تھا اور راعیل ان کا عرفی نام تھا۔ اس کے والد کے نام سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ معاملہ دو افراد سے متعلق ہے نہ کہ ایک شخص سے، جیسا کہ تملیخا زلیخا کے والد تھے، جبکہ عائل راعیل کا باپ تھا۔

اسی طرح محمد بہرامی نے حضرت یوسف علیہ السلام کی زلیخا سے شادی سے متعلق شیعہ علماء کی کتابوں میں منقول روایات کو بھی ناقابل اعتبار قرار دیا ہے اور اس بحث کا نتیجہ یہ نکالا ہے کہ وہ تمام شیعہ روایات جو یوسف علیہ السلام اور زلیخا کی شادی کے قصے سے متعلق ہیں محض ایک افسانہ ہیں اور پریوں کی کہانی ہونے سے آگے نہیں بڑھتی، جسے انسانی قلم نے پلاٹ کیا ہے۔ جو لوگوں کی زبانوں پر تو واقع ہوئی ہے، لیکن اس کی کوئی حقیقت پسندانہ تاریخی بنیاد نہیں۔

## وہب بن منبہ کی مرویات

ابو عبداللہ وہب بن منبہ (الصنعانی) کا شمار یمن کے ممتاز علماء میں ہوتا تھا وہ آسمانی کتابوں کا وسیع علم رکھتے تھے۔ آپ صنعاء شہر کے قاضی بھی رہے۔ ائمہ محدثین امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داؤد، امام نسائی اور امام ترمذی نے ان کی مرویات کو اپنی کتب میں جگہ دی ہے۔ ان کے بارے میں عام طور پر یہ مشہور ہے کہ ان کے ذریعہ سے اسرائیلیات اسلام کے ذخیرہ میں داخل ہوئیں جیسا کہ ڈاکٹر بہرامی کی مذکورہ تحریر سے بھی ظاہر ہے۔ لیکن شیخ محمد ابوزہو مصری اس سے اتفاق نہیں کرتے۔ انہوں نے وہب بن منبہ پر اسرائیلیات نقل کرنے کے الزام کا دفاع کیا ہے اور لکھا ہے کہ انہوں نے وہ روایات اہل کتاب کی کتب سے صرف نقل کی ہیں ان کی تصدیق نہیں کی لیکن ان کے بعد نقل کرنے والوں نے جرح و تعدیل کے بغیر ان کو حقائق بنا کر عوام الناس کے سامنے پیش کیا۔

شیخ ابوزہو لکھتے ہیں:

تمام روایتوں کو کعب، وہب اور ان جیسے لوگوں کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں۔ کیوں کہ وضاعین نے بہت سی باتیں وضع کر کے ان کے نام منسوب کر دیں اور بعض قصہ گو، مؤرخین، مصنفین اور قاصرین مفسرین نے ان سے منسوب جھوٹے واقعات کو نقل کر کے اس طرح لوگوں تک پہنچایا گویا کہ یہ حقائق ہیں۔ انھوں نے ان روایتوں کو اس طرح نہیں دکھایا کہ یہ اسرائیلیات ہیں۔ چنانچہ وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ لہٰذا یہ دراصل کعب اور وہب کا قصور نہیں بلکہ کوتاہیوں اور سہل پسندی کا قصور ہے۔

اسی طرح شیخ ابوزہو مفسرین کے بارے میں لکھتے ہیں:

اکابر مفسرین کی تفسیروں میں اسرائیلیات کی کثیر تعداد ہے جو کعب اور وہب بن منبہ کی طرف منسوب ہے، جیسا کہ ہم ابن جریر طبری اور دیگر مفسرین کی کتابوں میں دیکھتے ہیں۔ اسرائیلی روایات کو اپنی کتابوں میں نقل کرنے کی بناء پر ان مفسرین کی مذمت نہیں کی جا سکتی اس لیے کہ انھوں نے اسرائیلیات کو اس لیے نقل کیا ہے کہ انھیں شریعت کے ترازو میں تول کر ان کی جانچ پرکھ کی جائے اور ان کی صحت وضعف کا فیصلہ کیا جائے۔ اس لیے انھوں نے اسرائیلیات کی اسناد بھی ذکر کر دی ہیں اور ان کی صحت کا معاملہ بعد میں آنے والوں کے لیے چھوڑ دیا ہے جیسا کہ حدیث کی تدوین کرنے والے محدثین نے کیا۔ اس طرح انھوں نے اسناد کا ذکر کر کے خود کو بری الذمہ کر لیا۔[1]

## خلاصہ کلام

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ فرمایا حضرت یوسف علیہ السلام کی امراۃِ عزیز سے شادی کے بارے میں بعض روایات کی بنیاد پر مفسرین کرام و دیگر محققین دو طبقات میں منقسم ہیں۔ بالفرض اگر ہم ان روایات کی بنیاد پر زلیخا سے آپ کی شادی کا اقرار کر لیں تو اس سے ہمارے ایمان میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا، اور اگر ہم اس شادی کا انکار کر دیں تو اس سے بھی ہمارے ایمان میں کوئی خلل واقع نہیں ہوگا، اور نہ ہی قرآن کریم کا ایسے قصے بیان کرنے کا یہ مقصد ہے۔

اس ضمن میں ایک اہم بات جس کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے، وہ یہ ہے کہ واقعہ، جو حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ عزیز مصر کے گھر کے اندر پیش آیا (جس کا سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے، کوئی گواہ نہیں)، اس میں ہمیں آپ کی معصوم شخصیت اور پاکیزہ سیرت ہر صورت ملحوظ خاطر رکھنی چاہیے۔ بعض مفسرین نے ان لمحات کی جھوٹی اور اسرائیلی روایات کی بنیاد پر

---

[1] محمد ابو زہو، کتاب الحدیث والمحدثون، صفحہ 191 – 192

ایسی چونکا دینے والی منظر کشی کی ہے اور ایسے قصے اختراع کیے ہیں کہ عصمت انبیاء کا بھی لحاظ نہیں کیا۔ جبکہ احادیث صحیحہ کے وسیع ذخیرے میں ان کا کہیں وجود ہی نہیں ہے۔ جس آیت میں امراۃ عزیز کے ارادہ کرنے کا ذکر ہے اسی آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام کی صالحیت کا ذکر ہے، کہ بیشک وہ ہمارے صالح بندوں میں سے تھا۔ چنانچہ ہمارا تو حوصلہ نہیں کہ ان باتوں کو نقل کیا جائے جو اللہ کے پاک پیغمبر علیہ السلام کے بارے میں بعض تفاسیر میں درج کر دی گئی ہیں۔ اس لیے ایسی باتوں کو اس کتاب میں جگہ نہیں دی گئی۔

"حضرت یوسف علیہ السلام کا دامن ہر لحاظ سے پاک وصاف تھا اور اس ضمن میں ایسے تمام قصے موضوع من گھڑت اور زنادقہ و یہود وغیرہ دشمنان اسلام کی کارستانی اور شرانگیزی کا نتیجہ ہیں، جن سے آنجناب کی نزہت و پاکدامنی پر حرف آتا ہو اور ان میں سے کسی کی نسبت اگر کسی صحابی کی طرف ہو تو وہ نسبت صحیح نہیں۔ اور ایسی بات بھی جھوٹ اور جعل سازی ہے جیسا کہ محققین نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ (تفسیر المراغی، تفسیر القاسمی وغیرہ)۔[1]

مزید برآں سورۃ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کی ذات سے وابستہ لوگوں کے تمام ضروری واقعات ایک ایک کر کے بیان ہوئے ہیں۔ لیکن امراۃِ عزیز کی محبت کا کہیں ذکر نہیں ہوا۔ البتہ شہر کی عورتوں میں جب اس واقعہ کا چرچا ہوا تو ان کے الفاظ قرآن نے نقل کیے ہیں کہ انھوں نے کہا یوسف علیہ السلام کی محبت عزیز مصر کی بیوی (زلیخا) کے دل میں گھر کر گئی ہے۔[2]

علاوہ ازیں قرآن کریم کے مطابق سخت جرم، بھائیوں نے بھی کیا تھا، لیکن نادم ہوئے، تو ان کو معافی مل گئی۔ اسی طرح امراۃِ عزیز کی طرف سے پیغمبر کے ساتھ بُرائی کا قصد

---

[1] مولانا اسحاق مدنی، تفسیر مدنی کبیر

[2] سورۃ یوسف 30:12

بھی بہت سخت جرم تھا۔لیکن امراۃِ عزیز کے بارے میں اس طرح کی کوئی چیز ثابت نہیں۔ تاہم ہمارے نزدیک امراۃِ عزیز کو بدکار کہنا جیسا کہ بعض لوگ ایسا کہتے ہیں، درست نہیں، کیونکہ جب تک فعل بد صادر نہ ہو اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔(واللہ اعلم بالصواب) دوسری غور طلب بات یہ ہے کہ امراۃِ عزیز کا یوسف علیہ السلام کی بیوی بننا "تورات" سے بھی ثابت نہیں۔ بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام کی زوجہ محترمہ کا نام آسناتھ تھا جو فوطیفرع کی صاجزادی تھی۔

ہمارے مفسرین نے عزیز مصر کا نام قطفیر یا اظفیر لکھا ہے۔جب کہ تورات کے باب 46 میں لکھا ہے کہ فرعون نے اون (شہر) کے پجاری فوطیفرع کی بیٹی آسناتھ کو اس سے بیاہ دیا۔کتاب پیدائش 41 کے مطابق جس نے یوسف کو خریدا اس کا نام فوطیفار ہے جو فرعون کے افسروں میں سے تھا اور پہرہ داروں کا سردار تھا۔نام کے لحاظ سے بظاہر فوطیفرع اور فوطیفار ایک ہی شخص لگتا ہے،لیکن عہدے اور مقام کے لحاظ سے دو الگ الگ اشخاص معلوم ہوتے ہیں۔شائد نام کی یہ مشابہت ہمارے مفسرین کرام کے درمیان اختلاف کا باعث بنی ہو۔واللہ اعلم

بہرکیف ہم نے پوری دیانتداری سے دونوں اطراف کے دلائل قارئین کرام کے سامنے پیش کر دیے ہیں جن کی روشنی میں اگر وہ اپنی رائے بھی قائم کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ لیکن اس بحث میں ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ قرآن وحدیث میں کوئی تصریح موجود نہیں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی شادی زلیخا سے ہوئی تھی۔تورات میں بھی اس شادی کا ذکر نہیں ملتا،البتہ اکثر مفسرین کرام کی عبارات اور کتب تواریخ میں ایسی روایات موجود ہیں جن سے نکاح ثابت ہوتا ہے۔لیکن یہ روایات جرح وتعدیل کے بغیر نقل کی گئی ہیں۔

چنانچہ حق بات یہ ہے کہ اہل کتاب (اسرائیلی روایات) کے مسئلے میں ایک مسلمان کا

یہی عقیدہ ہونا چاہیے، جیسا کہ حضور ﷺ کا فرمان اقدس ہے کہ اہل کتاب کی نہ تو تصدیق کرو اور نہ ان کی تکذیب کرو اور کہو ہم اللہ پر اور اس کی چیز پر جو نازل کی گئی ایمان لائے۔[1] اس لیے ان روایات پر کسی اسلامی عقیدے یا حکم کی بنیاد قائم نہیں کی جا سکتی۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام سے زلیخا کی شادی ہمارے عقیدے یا ایمان کا مسئلہ نہیں ہے۔ چنانچہ اس نکاح کو ماننے یا نہ ماننے سے ہمارے دین میں کسی قسم کا کوئی خلل یا کمی واقع نہیں ہوتی۔ قرآن کا ایسے قصے بیان کرنے کا مقصد دراصل عبرت و نصیحت ہے۔ بس اس سرگزشت سے عبرت حاصل کی جائے اور اپنے اعمال سنوارنے کی مقدور بھر کوشش کی جائے، جیسا کہ قرآن کریم نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن سے زیادہ ان کی سیرت پر روشنی ڈالی ہے۔ واللہ اعلم

---

[1] محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 2435

# سورۃ یوسف میں نوجوانوں کیلئے سبق

(ترجمہ آیت) اور وہ دونوں دروازے کی طرف دوڑے۔[1]

جس وقت یہ واقعہ پیش آیا اس وقت یوسف علیہ السلام نوجوان تھے جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا ہے: اور جب وہ اپنی پوری جوانی کو پہنچے تو ہم نے ان کو بڑا حکم اور بڑا علم عطا کیا۔[2]

اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ اس وقت یوسف علیہ السلام کی عمر کیا تھی۔ بعضوں نے کہا ہے کہ اٹھارہ برس کے تھے اور کسی نے یہ بیان کیا ہے کہ پچیس برس کے تھے۔ اور کوئی کہتا ہے کہ تیس سال کے تھے۔ کوئی یہ بھی کہتا ہے تینتیس برس کے تھے۔ بہر حال آیت سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ جب آپ اچھی طرح بالغ ہو گئے۔[3]

حضرت یوسف علیہ السلام چھوٹی عمر سے ہی عزیز مصر کے گھر میں رہ رہے تھے۔ چونکہ عزیز مصر نے ان کو خریدا تھا اس لیے آپ کی حیثیت بظاہر تو ایک خدمت گار کی سی تھی۔ اب آپ جوان ہو چکے تھے۔ ظاہر ہے ایک ہی گھر میں رہنے کی وجہ سے امراۃِ عزیز کی آنکھوں کے

---

[1] سورۃ یوسف 25:12

[2] سورۃ یوسف 22:12

[3] حافظ محمد سید احمد حسن، احسن التفاسیر

سامنے آنا جانا رہتا ہوگا، یوں اس خاتون کی بدنگاہی ہی اس واقعہ کی بنیاد بنی۔ لہٰذا یہاں یہ بات خوب یاد رکھنی چاہیے کہ نامحرم مردوں کا عورتوں سے آزادانہ میل جول اور خلوت اختیار کرنا گناہ اور بدی کا باعث بنتا ہے، جس سے نہ صرف نسب میں بلکہ معاشرے میں بھی انتشار و فساد پیدا ہوتا ہے۔ بدنگاہی سے ہی بے حیائی دل میں اترتی ہے۔ دل کو انسانی جسم میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان اقدس ہے:

... خبردار ہو جاؤ! کہ بدن میں ایک ٹکڑا گوشت کا ہے، جب وہ سنور جاتا ہے تو تمام بدن سنور جاتا ہے اور جب وہ خراب ہو جاتا ہے تو تمام بدن خراب ہو جاتا ہے، سنو وہ ٹکڑا دل ہے۔ [ع1]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان اقدس ہے: نظر ابلیس کے زہر آلود تیروں میں سے ایک تیر ہے۔ جو اس کو اللہ کے خوف کی وجہ سے بچالے اللہ اس کے بدلے اس کو ایسا ایمان نصیب کرتا ہے جس کی حلاوت وہ اپنے قلب میں محسوس کرتا ہے۔ الکبیر للطبرانی عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ [ع2]

علامہ ابن قیم جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس نے اپنی آنکھوں کو حسینوں سے بچایا تو گویا بصارت کی حلاوت اس نے اللہ پر فدا کی، اس کے بدلے میں بصیرت یعنی قلب کی حلاوت اللہ تعالیٰ اس کو دیتا ہے اور کیوں کہ اللہ تعالیٰ باقی ہیں تو ان کی حلاوت بھی باقی ہوگی۔ [ع3]

چنانچہ اسلام نے پاکیزہ زندگی کے لیے بنیادی اور سہل حل یہ پیش کیا ہے کہ مرد و زن اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، پردے کا اہتمام کریں، جس جگہ گناہ میں پڑنے کا اندیشہ ہو وہ فوراً چھوڑ

---

ع1 محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 51، ابو عبداللہ محمد بن یزید قزوینی، سنن ابن ماجہ: جلد سوم: حدیث نمبر 864

ع2 علامہ علاء الدین علی متقی سرہندی، کنز العمال: جلد سوم: حدیث نمبر 1285

ع3 مولانا شاہ محمد اختر، منازلِ سُلوک، ص 22

دیں اور ان راستوں پر نہ چلیں جو راستے برائی کی طرف جاتے ہوں۔ اس سے ان کی زندگی بھی پاکیزہ رہے گی اور وہ فتنوں سے بھی محفوظ رہیں گے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے برائی سے بچنے کے لیے اپنی مقدور بھر کوشش کی تو اللہ تعالیٰ نے کامیابی کے راستے بھی کھول دیے۔

مولانا روم لکھتے ہیں :

گر زلیخا بست درہا ہر طرف — یافت یوسف ہم جنبش منصرف

چوں توکل کرد یوسف برجہید — باز شد قفل در و رہ شد پدید

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید — خیرہ یوسف وار می باید دوید

تا کشاید قفل و رہ پیدا شود — سوئی بیجائی شما را جا شود[1]

(ترجمہ) اگرچہ زلیخا نے ہر طرف سے دروازے بند کر دئیے، یوسف (علیہ السلام) نے بھی جنبش سے واپسی کی جگہ پالی۔ جب یوسف (علیہ السلام) نے توکل کیا اور بھاگے، دروازے کا تالا کھل گیا اور راستہ ظاہر ہو گیا۔ اگرچہ دنیا کا کوئی رخنہ نظر نہیں آتا ہے، یوسف (علیہ السلام) کی طرح اندھا دھند بھاگنا چاہیے۔ تاکہ تالا کھلے اور راستہ ظاہر ہو جائے۔ لامکاں کی جانب تمہارے لیے جگہ ہو جائے۔

نوجوانوں کے لیے سورۃ یوسف کے اسباق میں سے ایک اہم سبق اور پیغام یہی ہے کہ یوسف علیہ السلام کی طرح برائی سے بھاگنا چاہیے، دروازے کھولنا مالک کا کام ہے۔

---

[1] جلال الدین رومی، مثنوی معنوی مولانا روم، دفتر پنجم۔ ص، 117

در جوانی توبہ کردن شیوہ پیغمبری ست

وقت پیری گرگِ ظالم میشود پرہیز گار

(شیخ سعدی شیرازی)

(ترجمہ) جوانی میں توبہ کرنا پیغمبروں کا شیوہ ہے۔ بڑھاپے میں تو ظالم بھیڑیا بھی پرہیز گار بن جاتا ہے۔

# اللہ اپنے حکموں پر غالب ہے

(ترجمہ آیت) اور اللہ اپنے کام پر غالب ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ [1]

آیت میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر حال میں اپنا کاموں پر غالب ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے کہ وہ اپنے منصوبوں کی تکمیل میں کس طرح تدبیر سے کام لیتا ہے۔

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت یوسف علیہ السلام کو نبوت کے ساتھ ساتھ حکمرانی بھی عطا فرمانی مقصود تھی، چنانچہ بھائیوں نے فریب کاری سے اندھے کنویں میں ڈالا، جس کے نتیجے میں مصر میں فروخت کیے گئے جہاں عظیم خاندان کے اس چشم و چراغ کو کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔ غور فرمایئے اگر آپ علیہ السلام اس طرح مصر کے بازار میں فروخت نہ کیے جاتے تو مصر کیسے پہنچتے اور مصر کی حکمرانی کس طرح حاصل ہوتی؟ ایک دن پھر انہی، کنویں میں ڈالنے والے بھائیوں کو سائل بنا کر بے بسی کے عالم میں یوسف علیہ السلام کے سامنے لا کھڑا کیا۔ جو کچھ یوسف علیہ السلام کے ساتھ ہو رہا ہے یہ کوئی اتفاقی واقعات نہیں ہیں بلکہ رب العالمین کی بنائی ہوئی مستحکم تدبیر ہے"۔

یوں اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو اس دور کے متمدن ترین ملک میں پہنچانے کا

---

[1] سورۃ یوسف 21:12

بندوبست فرمایا اور رہائش بھی کسی عام بستی میں نہیں بلکہ ایک عظیم رئیس اور صاحب جاہ و جلال آدمی کے محل میں اور وہ بھی ایک غلام کے طور پر نہیں بلکہ بیٹا بنانے کی آرزو میں نہایت ہی خصوصی محبت اور عزت و اکرام کے انداز میں۔[1]

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰٓی اَمۡرِہٖ کے بارے میں حکماء نے کہا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کہا کہ اپنے بھائیوں کے سامنے خواب کو بیان نہ کرو تو اللہ تعالیٰ کا امر غالب آیا یہاں تک کہ آپ نے خواب بیان کر دیا، پھر آپ کے بھائیوں نے آپ کو قتل کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ کا امر غالب آیا یہاں تک کہ آپ بادشاہ بن گئے اور انھوں نے آپ کے سامنے سجدہ کیا۔ پھر بھائیوں نے چاہا کہ وہ اپنے باپ کی توجہ اپنی طرف مبذول کروالیں تو اللہ کا حکم غالب آیا یہاں تک کہ ان کے باپ کا دل ان کے بارے میں تنگ ہوگیا۔ اور ستر یا اسی سال کے بعد انھوں نے سوچا تو کہا: یٰٓاَسَفٰی عَلٰی یُوۡسُفَ (یوسف 84:12) پھر انھوں نے غور و فکر کیا کہ اس کے بعد وہ نیک لوگ ہو جائیں۔ یعنی توبہ کرنے والے ہو جائیں، پس اللہ تعالیٰ کا حکم غالب آیا یہاں تک کہ وہ گناہ بھول گئے اور انھوں نے اس پر اصرار کیا یہاں تک کہ ستر سال کے بعد اس معاملہ کے آخر میں انھوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے اس کا اقرار کیا اور انھوں نے اپنے باپ کو کہا: اِنَّا کُنَّا خٰطِئِیۡنَ۔ (یوسف 97:12) ہم غلطی پر تھے۔ پھر انھوں نے چاہا کہ رونے کے ذریعے اور قمیض کے ذریعے وہ اپنے باپ کو دھوکہ دیں تو اللہ کا امر غالب آیا اور وہ دھوکہ نہ دے سکے اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا قَالَ بَلۡ سَوَّلَتۡ لَکُمۡ اَنۡفُسُکُمۡ اَمۡرًا (سورۃ یوسف

---

[1] ڈاکٹر اسرار احمد، بیان القرآن

83:12) یعنی تمہارے نفسوں نے تمہارے لیے یہ معاملہ آراستہ کر دیا۔ پھر انھوں نے کوشش کی کہ اپنے باپ کے دل سے اس (یوسف علیہ السلام) کی محبت کو زائل کریں تو اللہ تعالیٰ کا حکم غالب آیا اور ان کے دل میں محبت اور شوق اور زیادہ ہو گیا۔ پھر عزیز کی بیوی نے تدبیر کی کہ وہ عزیز مصر سے شکایت کرنے میں پہل کرے گی اور آپ پر غالب آجائے گی لیکن اللہ کا حکم غالب آیا یہاں تک کہ عزیز مصر نے کہا وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۚ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ۔ (سورۃ یوسف 29:12) اپنے گناہ سے توبہ کرو بیشک تو خطا کاروں میں سے ہے۔ پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے ساقی کے ذکر کے ذریعے قید خانے سے چھٹکارا پانے کی تدبیر کی مگر اللہ کا امر غالب آیا ساقی بھول گیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کئی سال تک قید خانے میں ٹھہرے رہے۔[1]

اللہ اپنے ارادوں کی تکمیل کیلئے حیرت انگیز طریق اختیار کرتا ہے، ہم چونکہ واقعات کے تمام جہتوں سے کماحقہ آگاہ نہیں ہوتے اور آئندہ کی نسبت علم نہیں رکھتے ہیں اس لیے بعض اوقات مصیبت سے گھبرا اٹھتے ہیں، اور نہیں جانتے کہ اللہ کو کیا منظور ہے دیکھئے حضرت یوسف علیہ السلام کو کن طریقوں سے مصر کی وزارت ملتی ہے۔[2]

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (سورۃ یوسف 21:12) یعنی اللہ تعالیٰ غالب اور قادر ہے اپنے کام پر جو اس کا ارادہ ہوتا ہے تمام عالم کے اسباب ظاہرہ اس کے مطابق ہوتے چلے جاتے ہیں جیسا کہ ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا ارادہ فرماتے ہیں تو دنیا کے سارے اسباب اسکے لیے

---

[1] ابوعبداللہ محمد بن ابوبکر قرطبی، تفسیر قرطبی

[2] مولانا محمد حنیف ندوی، تفسیر سراج البیان

تیار کر دیتے ہیں وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے اور اسباب ظاہرہ ہی کو سب کچھ سمجھ کر انہی کی فکر میں لگے رہتے ہیں مسبب الاسباب اور قادر مطلق کی طرف دھیان نہیں دیتے ۔[1]

یعقوب علیہ السلام نے چاہا کہ یوسف علیہ السلام کا خواب پوشیدہ رہے مگر اللہ نے اسے ظاہر کر دیا برادران یوسف علیہ السلام نے چاہا کہ وہ رو دھو کر اور جھوٹ پر مبنی خون آلو د قمیض دکھا کر اپنے والد کو دھوکا دے سکیں ۔ مگر اللہ نے ان کا جھوٹ ظاہر کر دیا اسی طرح بعد میں زلیخا نے یوسف علیہ السلام پر تہمت رکھی مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کی پاکدامنی ظاہر کر دی الغرض اللہ رب العزت ہی اپنے کام پر غالب ہے مگر اکثر لوگ نہیں سمجھتے ۔ (برہان القرآن)

حضرت یوسف علیہ السلام مرحلہ وار کنعان سے تخت مصر پر متمکن ہوئے ۔ بھائیوں کا حسد دشمنی میں تبدیل ہو کر کنویں تک لے گیا جس کی وجہ سے ان کو خاندان کی جدائی برداشت کرنی پڑی ، اللہ کا حکم غالب آیا، کنویں سے نکال کر بے وطن ہو کر بازار مصر میں پہنچے، اللہ کا حکم غالب آیا، عزیز مصر کو فروخت کروا کر اس کے محل میں پہنچا دیا، اللہ کا حکم غالب آیا، انتہائی محبت اور شفقت میں پرورش پائی ، اللہ کا حکم غالب آیا، عزیز مصر کی بیوی اور اشرافیہ کی دوسری خواتین کی شورش سے محفوظ رہے، قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں ۔ اللہ کا حکم غالب آیا، تمام مصیبتوں کے بعد قرب شاہی اور حکومت کے وسیع اختیارات کے مالک و مختار بنے ۔

---

[1] مفتی محمد شفیع، معارف القرآن

# قصہ یوسف علیہ السلام اور قریش میں مماثلت

(ترجمہ آیت) اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ اخبار غیب میں سے ہیں۔ جو ہم تمہاری طرف بھیجتے ہیں اور جب برادران یوسف (علیہ السلام) نے اپنی بات پر اتفاق کیا تھا اور وہ فریب کر رہے تھے تو تم ان کے پاس تو نہ تھے۔[1]

محمد حنیف ندوی لکھتے ہیں:

سورۃ یوسف کا نزول اس وقت ہوا جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ چھوڑ رہے تھے، اور مدینہ کی جانب ہجرت کا ارادہ تھا، غرضیکہ جس طرح برادران یوسف علیہ السلام نے جمال ظاہری کو رشک وحسد کی آنکھوں سے دیکھا اور بھائی کو کنوئیں میں پھینک دیا، اسی طرح یہ برادران قوم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمال کی روحانی تجلیات کو برداشت نہ کر سکے، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار ثور میں پناہ گزیں ہوئے پھر جس طرح یوسف علیہ السلام ارض مصر میں حکومت کے اعلیٰ درجہ تک پہنچے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ کے لوگوں نے آنکھوں پر بٹھایا، اس سورۃ کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت یوسف علیہ السلام کی سی ہجرت ہے۔ ان شاء اللہ آپ مدینہ میں یوسف علیہ السلام

---
[1] سورۃ یوسف 102:12

کی طرح اقتدار حاصل کریں گے اور یہی لوگ برادران یوسف علیہ السلام کی طرح آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے عفو و کرم کے طالب ہوں گے۔[1]

اس سے بتانا مقصود یہ ہے کہ مشرکین مکہ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کی قدرت حضرت یوسف علیہ السلام کو بے سرو سامانی میں تخت مصر کا مالک بنا سکتی ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو آخری نبی ہیں جن کے بعد کسی اور کو دنیا کی ہدایت کے لیے نہیں آنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وساطت سے ایک کامیاب اسلامی انقلاب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا منطقی نتیجہ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اس کے لیے اسی طرح اسباب فراہم کرے گی جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے کیے گئے۔ تم ان کے قتل کے منصوبے باندھتے رہو، ان کا ملک میں رہنا مشکل کردو، ان کے لیے اور بھی جو مشکلات پیدا کرسکتے ہو، کرو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ ایسا عروج اور ایسی کامرانی عطا فرمائے گا جو اس سے پہلے کبھی کسی کو نصیب نہ ہوسکی۔[2]

اس (سورۃ) کے اولین مخاطبین قریش تھے۔ ان کے لیے تو گویا اسے ایک آئینہ بنادیا گیا ہے، جس میں وہ اپنی عاقبت بھی دیکھ سکتے تھے اور اسلام اور مسلمانوں کا مستقبل بھی۔ اس لحاظ سے یہ ایک صریح پیشین گوئی تھی جسے آئندہ دس سال کے واقعات نے حرف بہ حرف صحیح ثابت کرکے دکھادیا۔ چنانچہ اس کے نزول پر ڈیڑھ دو سال ہی گزرے تھے کہ قریش نے برادران یوسف علیہ السلام کی طرح دارالندوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کی سازش کی، مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے شر سے محفوظ رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے نکلے اور غار ثور میں جا چھپے۔ اس

---

[1] محمد حنیف ندوی، تفسیر سراج البیان

[2] مولانا ڈاکٹر محمد اسلم صدیقی، روح القرآن

کے بعد وہاں سے نکل کر مدینہ پہنچ گئے۔ پھر قریش کی توقعات کے بالکل خلاف آپ کو وہاں ایسا وقار اور اقتدار حاصل ہوا کہ چشم فلک نے اس کی نظیر نہیں دیکھی۔ اہل مکہ کو طوعاً و کرہاً آپ کی اطاعت میں داخل ہونا پڑا، یہاں تک کہ فتح مکہ کے موقع پر ٹھیک وہی صورت پیدا ہوگئی جو مصر کے پایہ تخت میں یوسف علیہ السلام کے سامنے ان کے بھائیوں کی حاضری کے موقع پر پیدا ہوئی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قوم کے لوگوں سے پوچھا: بتاؤ، میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟ انھوں نے عرض کیا: آپ ایک عالی ظرف بھائی اور عالی ظرف بھائی کے بیٹے ہیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں تم سے وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی: جاؤ، تم آزاد ہو، آج تم پر کوئی گرفت نہیں۔[1]

میاں محمد جمیل لکھتے ہیں:

اہل مکہ کو توجہ دلائی جارہی ہے کہ یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے متعلق تم نے جو سوال کیا ہے۔ اگر تم اس کے جواب پر غور کرو تو تمہارے لیے اس واقعہ کی ایک ایک کڑی میں رہنمائی اور بے انتہا سامان عبرت موجود ہے:

1۔ جس طرح یوسف علیہ السلام کے بھائی سوتیلا پن اور اپنے بھائی یوسف علیہ السلام کی صلاحیتوں کو دیکھ کر ان کے مخالف ہوئے تھے۔ اسی طرح تم حسد و بغض میں آکر اپنے بھائی یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت پر کمر بستہ ہو چکے ہو۔

2۔ جس طرح یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی مخالفت اور سازش ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکی تھی ایسے ہی تمہاری مخالفت اور سازشیں رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کچھ نہیں بگاڑ پائیں گی۔

---

[1] جاوید احمد غامدی، تفسیر البیان

3۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے اپنی طرف سے ختم کرنے کی پوری کوشش کی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں مامون اور محفوظ فرمایا۔ اسی طرح تم بھی رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ختم کرنے کے درپے ہو جس میں تم کبھی کامیاب نہیں ہو پاؤ گے۔

4۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا گھر سے نکلنا ان کے عروج و اقبال کا ذریعہ بنا تھا۔ تم بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ سے نکالنا چاہتے ہو لیکن یاد رکھو یوسف علیہ السلام سے کئی گنا زیادہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت ان کے عروج و اقبال کا زینہ ثابت ہوگی۔

5۔ جس طرح یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے مجبور اور لاچار ہو کر یوسف علیہ السلام کے سامنے دست سوال پھیلایا تھا وقت آئے گا کہ تمہیں بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے دست سوال پھیلانا پڑے گا۔

6۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے بالآخر ان سے معافی کی درخواست کی تھی۔ یہ وقت بھی آ کر رہے گا کہ تم رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے نہایت عاجزی کے ساتھ معافی کے خواستگار ہو گے۔

7۔ یوسف علیہ السلام ملک مصر کے حکمران بنے تھے۔ ان کے بعد ان کی اولاد یعنی بنی اسرائیل ایک مدت تک مصر میں حکمرانی کرتے رہے۔ جس رسول کی مخالفت میں تم ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہو عنقریب وقت آنے والا ہے کہ نبی معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متبعین کی پوری دنیا میں عزت اور حکمرانی کا پھریرا بلند ہوگا۔[1]

امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے حضرت یوسف علیہ السلام کی سرگزشت کی نوعیت یہی تھی۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حاضر اور مستقبل کا پورا نقشہ دکھا دیا گیا جس میں چند مقامات بہت

---

[1] میاں محمد جمیل۔ تفسیر فہم القرآن

سخت بھی تھے لیکن آخری منزل نہایت شاندار تھی۔ اس راہ میں اگرچہ غارِ ثور بھی آتا تھا لیکن غارِ ثور کی ظلمتوں سے مدینہ کی حکومت بھی نظر آ رہی تھی اور مکہ کی پر محسن زندگی کے اندر اس دن کی جھلک بھی نمایاں تھی جب کہ مکہ کے متمردین گھٹنے ٹیک کر آپ سے عفو و کرم کی التجائیں کریں گے۔[1]

یوسف علیہ السلام کے خلاف مشورہ کرنے والے دس بھائی تھے۔ قریش بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف زیادہ حصہ لینے والے دس بطون تھے۔ یعنی بنی مخزوم، بنو عدی، بنو تمیم، بنو اسد، بنو امیہ، بنو سہیم، بنو حمسہ، بنو عبد الدار، بنو کعب، بنو نوفل۔ نزول سورۃ کے بعد یہ سب یکے بعد دیگرے داخل اسلام ہو گئے تھے۔[2]

اوپر جتنی سرگزشت بیان ہوئی ہے اس سے جو نہایت اہم سبق حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کو سربلند کرنا چاہے، دنیا کی کوئی طاقت اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی حسد کی بنا پر ظلم کے مرتکب ہوئے اور معصوم بھائی کو اندھے کنویں میں پھینک دیا، لیکن ان کی تدبیر انہی کے حق میں الٹی ہو گئی اور یوسف علیہ السلام کی سربلندی کا ذریعہ بن گئی۔ پھر ایک دن آیا جب اللہ تعالیٰ نے ان بھائیوں کو جنہیں اپنی طاقت، جوانی اور عصبیت پر بڑا گھمنڈ تھا، محتاجی کی حالت میں یوسف علیہ السلام کے سامنے لا کھڑا کیا۔ اس کہانی میں قریش مکہ کے لئے بھی عبرت تھی کہ آج تم اپنے کریم بھائی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ سے نکالنے کے درپے ہو، ایک دن آئے گا جب تم بھی یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی طرح محتاجی کی حالت میں ان کے سامنے کھڑے ہو گے اور فتح مکہ (8 ہجری مقدس) کے دن یہ سب ہو کر رہا۔

---

[1] امین احسن اصلاحی، تدبر القرآن

[2] قاضی محمد سلیمان، منصور پوری، الجمال والکمال، ص 34

# سرگزشتِ یوسف علیہ السلام میں معاشی بحرانوں سے نمٹنے کا سبق

## معاشی مسئلہ:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ "اپنی اولاد کو افلاس کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم ہی تم کو بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی"۔[1]

چنانچہ ہمارا عقیدہ ہے کہ خالق کائنات نے روئے زمین پر جتنے بھی انسان پیدا فرمائے ہیں ان کے رزق کا پہلے بندوبست کیا ہے پھر ان کو زمین پر بھیجا ہے۔ لہٰذا زمین پر موجود وسائل آٹھ ارب انسانوں کی بنیادی ضروریات خوراک، لباس اور رہائش کے لیے کافی ہیں۔ چنانچہ دین اسلام میں انسانوں کی روٹی کپڑا مکان کی ضروریات پوری کرنے کے لیے زمین کے موجود وسائل میں کمی کا کوئی تصور نہیں ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ اگر ایسا ہی ہے تو پھر معاشرے میں غربت، فاقہ کشی، اور معاشی پسماندگی کیوں نظر آتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب خائن انسانوں کے بنائے ہوئے رائج الوقت قوانین اور

[1] سورۃ بنی اسرائیل 31:17

نظاموں کی غلط اور غیر منصفانہ تقسیم کا نتیجہ ہے، جس وجہ سے چند اشخاص نے اکثریت کے حقوق غصب کر کے تمام وسائل پر قبضہ کیا ہوا ہے۔ ورنہ نعوذ باللہ، اللہ کریم ایسا نہیں کہ اس نے پانچ ارب انسانوں کے وسائل ہوتے ہوئے آٹھ ارب لوگ دنیا میں تخلیق کر دیے ہوں؟

البتہ رزق کی فراخی اور وسعت کے بارے میں سب انسان برابر نہیں ہیں اس بارے میں اللہ تعالیٰ کے اپنے پیمانے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ ''اللہ ہی اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہے کم کر دیتا ہے''۔[1]

جہاں تک جزوقتی بھوک و افلاس یا رزق کی عدم فراہمی بوجوہ قدرتی آفات کا تعلق ہے جس میں انسان بالکل ہی بے بس ہو جاتا ہے، جیسے قحط سالی، ضرورت سے زیادہ بارشیں، سیلاب، سمندری طوفان، وبائیں، گلوبل وارمنگ، آندھیاں اور زلزلے وغیرہ، ان کے سائنسی اسباب و وجوہات کوئی بھی ہوں، لیکن یہ سب انسان کی بداعمالیوں کی وجہ سے ہیں انسان کے اعمال ہی اس کی تباہی کا باعث بنتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم نے سابقہ اقوام پر آنے والی ان قدرتی آفات کا ذکر کیا ہے۔ ''اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔''[2] اسی طرح نبی کریم ﷺ نے اپنی امت پر آنے والی قیامت تک کی آفات کا بھی تذکرہ فرمایا ہے۔ اور اس کا علاج بھی تجویز فرمایا کہ توبہ و استغفار کریں اور اپنے جرائم اور بداعمالیوں کو نا صرف ترک دیں بلکہ اپنی زندگیوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی نافذ کریں۔

## معاش کی اہمیت:

نبی کریم ﷺ نے فقر و فاقہ اور غربت سے اللہ کی پناہ مانگی ہے:

---

[1] سورۃ العنکبوت 62:29

[2] سورۃ النحل 118:16

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے اللھم انی اعوذ بك من الکفر والفقر ۔ یعنی اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں کفر سے اور فقر سے ۔[1] ایک آدمی نے عرض کیا: کیا یہ دونوں چیزیں برابر ہیں؟ ارشاد فرمایا : ہاں ۔ النسائی عن ابی سعید (رضی اللہ عنہ)[2]

غربت سے بعض اوقات آبرومندانہ زندگی کا تحفظ بہت مشکل ہو جاتا ہے ۔ اگر کسی فرد کا توکل علی اللہ بہت زیادہ مضبوط ہے، اس کے لیے تو یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے ورنہ ایسی مثالیں موجود ہیں کہ انسان کی مفلسی وتنگدستی کے اس کی اپنی ذات پر بھی اور خاندان ومعاشرے پر بھی منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں ۔ غربت سے نہ صرف اخلاقی برائیاں جنم لیتی ہیں بلکہ گھریلو جھگڑوں میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے ۔ غربت دین وایمان کے لیے بھی خطرہ ہے:

منقول ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین آپس میں فرمایا کرتے تھے کہ تجارت ومحنت کے ذریعے اتنا مال وزر ضرور کما لیا کرو جس سے آبرومندانہ زندگی کا تحفظ ہو سکے اور یاد رکھو کہ ایک ایسا بھی دور آنے والا ہے کہ جب تم میں سے کوئی محتاج وتنگدست ہو گا تو سب سے پہلے اپنے دین وایمان ہی کو کھا جائے گا ۔[3]

حضرت سفیان ثوری (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ اگلے زمانہ میں مال کو برا سمجھا جاتا تھا کیونکہ اس زمانہ کے لوگوں میں زہد وقناعت بہت زیادہ تھی، علاوہ ازیں اس وقت کے بادشاہوں اور حاکموں کی طرف سے اپنی رعایا کی بنیادی ضرورتوں کی فراہمی کا خاص انتظام ہوتا

---

[1] محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 1012، ابوعبداللہ احمد بن حنبل الشیبانی، امسند احمد: جلد نہم: حدیث نمبر 608

[2] علامہ علاء الدین علی متقی سرہندی، کنز العمال: جلد سوم: حدیث نمبر 4904

[3] محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 26

تھا اور لوگ بلا کسی سعی و کوشش کے اور بغیر کسی الجھن و پریشانی کے گھر بیٹھے قوت لایموت حاصل کر لیتے تھے، نیز اس سلسلے میں ان بادشاہوں اور حاکموں کے کسی تعامل و رویہ سے اپنے تئیں کوئی ذلت وخواری بھی محسوس نہیں کرتے تھے اس لیے روپیہ پیسہ کمانے اور مال و دولت حاصل کرنے کو برا سمجھا جاتا تھا، لیکن جہاں تک اس زمانہ کا تعلق ہے تو اب مال و دولت مسلمانوں کی ڈھال ہے۔ کیونکہ آج کل کے لوگوں میں زہد و قناعت کے جذبات مضمحل ہو گئے ہیں اور ضروریات زندگی کی احتیاج کا بہت زیادہ غلبہ ہو گیا ہے۔ علاوہ ازیں اب سلاطین و امراء اور حکومتوں کی طرف سے لوگوں کی کفالت کا کوئی نظم بھی باقی نہیں رہا ہے نتیجہ کے طور پر اگر کوئی شخص کسب و محنت کر کے مال حاصل نہ کرے تو اس کو اپنی ضروریات زندگی کی فراہمی کے لیے ان لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلانا پڑتا ہے جو مالی و اخلاقی مدد و اعانت سے زیادہ ذلیل وخوار کرتے ہیں پس اس صورت میں حلال مال مومن کے لیے بہت بڑی ڈھال ہے جس کے ذریعہ وہ نہ صرف حرام و مشتبہ معاملات میں پڑنے سے بچتا ہے بلکہ دنیادار امراء اور ظالموں کی مصاحبت و حاشیہ نشینی کی ذلت وخواری سے بھی اپنے آپ کو محفوظ رکھتا ہے۔ حضرت سفیان (رحمۃ اللہ) نے یہ بھی فرمایا کہ اگر ہم لوگوں کے پاس یہ درہم و دینار اور روپیہ پیسہ نہ ہوتا تو یہ آج کل کے سلاطین و امراء ہمیں ذلیل و پامال کر ڈالتے، نیز انھوں نے فرمایا۔ کسی شخص کے پاس اگر تھوڑا بہت بھی مال ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ اس کی اصلاح کرے یعنی اس تھوڑے سے مال کو یوں ہی ضائع نہ ہونے دے بلکہ تدبیر و ہنر مندی کے ساتھ اس کو کسی تجارت وغیرہ میں لگا کر بڑھانے کی سعی کرے یا یہ کہ اس کو بہت کفایت و قناعت کے ساتھ خرچ کرے تا کہ جلدی ختم نہ ہو جائے کیونکہ ہمارا یہ زمانہ ایسا ہے کہ اس میں اگر کوئی محتاج و مفلس ہوتا تو دنیا حاصل کرنے کی خاطر اپنے دین کو اپنے ہاتھ سے گنوانے والا سب سے پہلے شخص وہی ہو گا۔ حضرت سفیان (رحمۃ اللہ علیہ) کا ایک قول یہ بھی ہے کہ حلال مال، اسراف کا روادار نہیں

ہوتا۔(شرح السنہ) تشریح حضرت سفیان (رحمۃ اللہ علیہ) کے آخری قول کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص محنت و مشقت برداشت کرکے اور جائز وسائل و ذرائع سے جو کچھ کماتا ہے وہ بڑا پاکیزہ مال ہوتا ہے، لہٰذا اس کو چاہیے کہ وہ اپنے اس حلال و پاکیزہ مال کو فضول خرچیوں میں ضائع نہ کرے بلکہ کفایت شعاری اور احتیاط کے ساتھ خرچ کرے اور تھوڑا بہت پس انداز کرنے کی کوشش بھی کرے اور اس کی حفاظت کرے تاکہ وہ کسی فوری ضرورت کے وقت کسی کا محتاج نہ رہے اور قلبی اطمینان و استغناء کی وجہ سے اپنے دین کی سلامتی حاصل رہے۔[1]

حضرت داود علیہ السلام۔ باوجود سلطنت و حکمرانی کے اپنی روزی اپنے ہاتھ کی محنت سے حاصل کرتے تھے، زرہ سازی ان کا جز وقتی مشغلہ اور ہنر تھا، اسی کی آمدنی سے ان کا خرچ چلتا تھا۔[2]

موجودہ دور کا اہم تقاضا یہ ہے کہ ہر مسلمان ہنر مند ہو، لیکن یہ بدقسمتی کی بات ہے کہ ہمارا نوجوان بے ہنر ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے ہنر نوجوانوں کو پسند نہیں کرتے تھے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "میں ایک شخص کو دیکھتا ہوں اور وہ مجھے اچھا لگتا ہے، جب میں پوچھتا ہوں کہ اس کو کوئی ہنر وغیرہ آتا ہے؟ اور لوگ کہتے ہیں کہ نہیں، تو وہ میری نظروں سے گر جاتا ہے۔[3]

## قحط سالی میں حضرت یوسف علیہ السلام کی اصلاحات

آج سے تقریباً چار ہزار سال پہلے سرزمین مصر کو جس معاشی مسئلے کا سامنا تھا اس کا تعلق

[1] محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1217

[2] محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 282

[3] علامہ علاء الدین علی متقی سرہندی، کنز العمال: جلد دوم: حدیث نمبر 4752

خشک سالی سے تھا، جس کا تدارک بحکم خداوندی حضرت یوسف علیہ السلام نے بطریقہ احسن کیا۔ بلاشبہ انبیاء کرام علیہم السلام اللہ کے منتخب اور برگزیدہ بندے ہوتے ہیں۔ بقول سید ابو الحسن علی ندوی: انبیاء کرام عبادات، اخلاق اور معاملات، تدبیر منزل اور سیاست مدینہ کا ایک نہایت حکیمانہ نظام پیش کرتے ہیں، جس سے بہتر نظام دنیا کے حکماء پیش نہیں کر سکے، اور اس سے بہتر نظام دنیا کے تجربے میں نہیں آیا ہوتا۔ ان کا اللہ سے بے حد خصوصی تعلق ہوتا ہے اور خدا کی تائید و نصرت اور کائنات کی طاقتیں ان کی پشت پر ہوتی ہیں، ان کی مدد اور بعض اوقات ان کی صداقت کے اظہار کے لئے ایسے غیر معمولی واقعات پیش آتے ہیں۔ جو عالم کے عام قانون طبعی اور سلسلۂ اسباب کے خلاف ہوتے ہیں۔

سرزمین مصر کو قحط سالی سے بچانے کے لیے حضرت یوسف علیہ السلام کی تائید وحی الٰہی کے ذریعہ سے کی گئی تھی، لیکن ماہرین اقتصادیات کو ان اقدامات کا اطلاق کرنا چاہیے جو سورۃ یوسف میں بیان ہوئے ہیں، یوسف علیہ السلام نے کس طرح قحط اور خشک سالی پر قابو پانے کے لیے اصلاحات کیں اور ایک منفرد ماہر معاشیات کے طور پر کام کیا؟

ڈاکٹر خالد بن راشد الخاطر لکھتے ہیں:

یوسف علیہ السلام نے فرمایا: مجھے زمین کے خزانوں پر مقرر کر دیجیے، کیونکہ میں ذی علم ہوں" یہاں" ذی علم" سے کیا مراد ہے، مستقبل کی پیشین گوئی کرنے کی سائنس ہے، خاص طور پر اقتصادی پیشن گوئی کی۔ یوسف علیہ السلام کو بادشاہ کے مستقبل کے خواب کی تعبیر کا علم ہے۔ میں نے تفسیر کی کتابوں میں تلاش کیا ہے، مجھے اس معنی میں کوئی واضح وضاحت نہیں ملی، لیکن شاید قریب ترین وہ ہے جو ابن کثیر نے کہا ہے،" کہ جو کچھ انھوں نے کیا اس کے بارے میں وہ جاننے والے اور بصیرت والے تھے۔"

اور سب کچھ جاننے والا، علم کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:
''ہر ذی علم پر فوقیت رکھنے والا دوسرا ذی علم موجود ہے۔''[1] اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ کوئی کتنا جانتا ہے، ہمیشہ کوئی ایسا ہوتا ہے جو اس سے زیادہ علم والا ہوتا ہے۔

اس زمانے میں خشک سالی سے آنے والی چیزوں کے بارے میں حضرت یوسف علیہ السلام سے زیادہ کوئی بھی واقف نہیں تھا، اس لیے کہ آپ علیہ السلام عروج کے دور میں کفایت شعاری کی پالیسیوں پر عمل کرنے کی ضرورت کے بارے میں دوسروں سے زیادہ جانتے تھے اور پالیسیوں کو لاگو کرنے کی بھی سب سے زیادہ صلاحیت رکھنے والے تھے۔ اور ان پر عمل نہ کرنے کے نتائج کو بھی جانتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو بادشاہ نے اس عہدے کے لیے درخواست کی اور اگر ان کے علاوہ اس عہدے کو کوئی اور قبول کر لیتا تو اس پر عمل درآمد نہ کر پاتا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے دو معاشی چکروں کی پیشین گوئی کی تھی، ایک عروج کا دور اور دوسرا جمود کا دور اور ہر دور کے لیے سرمایہ کاری، بچت اور خرچ کرنے کے حوالے سے مناسب منصوبہ بندی۔ ورنہ لوگ جمود کے دور میں ہلاک ہو جاتے اور ملک میں بہت بڑی تباہی ہوتی۔ آمدنی بڑھنے کے ساتھ ساتھ اخراجات اور فضول خرچی میں اضافہ ہوتا ہے اور عروج کے دور کا بہترین فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔

یوسف علیہ السلام ہمیں چھوٹے چھوٹے معاملات سے بالاتر ہونے کا سبق بھی دیتے ہیں۔ آپ علیہ السلام کے ساتھ انہوں نے ناروا سلوک کیا، آپ کو ایک ایسے واقعے میں برسوں تک قید میں رکھا جو کہ غیر منصفانہ اور بہتان تھا، لیکن آپ نے ان کو ان باتوں سے آگاہ کرنے میں پس

---
[1] سورۃ یوسف 76:12

وپیش نہیں کی جو آپ کو مستقبل کی تباہی کے بارے میں معلوم تھیں۔ بلکہ آپ نے بغیر کسی پیشگی شرائط کے ان کے لیے ایک مربوط منصوبہ تیار کیا۔

بادشاہ اصلاحات کرنا چاہتا تھا، اس لیے اس نے اپنے لیے علم وحکمت اور قابلیت کے ماہر یوسف علیہ السلام سے مدد طلب کی، جس کی وجہ سے وہ اس بحران کو فعال طور پر حل کرنے میں کامیاب ہوا، کیونکہ بادشاہ کی پہلی فکر عوامی مفاد تھی اور یوسف علیہ السلام اس کے لیے دوسروں کے مقابلے میں سب سے زیادہ اہلیت کے حامل تھے، اس لیے اس نے یہ معاملہ ان کے سپرد کر دیا۔ اور جب یوسف علیہ السلام نے بحران کے حل کے لیے اپنا منصوبہ پیش کیا تو بادشاہ نے اس سے انکار نہیں کیا یا اسے نظر انداز نہیں کیا جیسا کہ آج کل کی دنیا میں ہوتا ہے، بلکہ جب بادشاہ پر یوسف علیہ السلام کا خلوص، علم، ایمانداری اور استعداد واضح ہوگئی تو اس نے آپ کو بااختیار بنا کر اپنی بادشاہی کے سارے معاملات کے انتظامات آپ کے سپرد کر دیئے۔

ڈاکٹر الخاطر کا کہنا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے سے لے کر آج تک معاشی چکروں کا دورانیہ زیادہ تر ایک جیسا ہی ہے۔ وہ وسائل کے انتظام میں کارکردگی کے بارے میں لکھتے ہیں:

ضرورت اس امر کی ہے کہ وسائل کو سنبھالیں اور اسراف اور فضول خرچی نہ کریں، حتیٰ کہ اس میں بھی جو کچھ آسمان ہمیں مفت میں دیتا ہے، کیونکہ آپ نہیں جانتے کہ مستقبل آپ کے لیے کیسا ہے؟ پانی اور دیگر وسائل جو آج وافر مقدار میں موجود ہیں کل ختم بھی ہو سکتے ہیں یا جمود کا شکار ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا بدترین صورت حال سے بچنا ضروری ہے۔ اور ہر درہم جو آپ آج خرچ کرتے ہیں، آپ نہیں جانتے کہ کل اس کی قیمت کیا ہوگی؟ لہٰذا فضول خرچی اور اسراف مستقبل میں ضرورت پڑنے پر وسائل کی کمی کا باعث بنتے ہیں۔ وسائل کے انتظام میں نااہلی

بہترین نتائج نہیں دیتی اور ناکامی پر ختم ہوتی ہے۔ کرپشن ملک اور عوام کو تباہ کر دیتی ہے۔

یوسف علیہ السلام کی پالیسیوں کی تشکیل اور ان پر عمل درآمد کرنے میں شفافیت تھی۔ آپ علیہ السلام نے انہیں بتایا کہ آنے والا مسئلہ اور بحران کیا ہے اور اس کا مقابلہ کیسے کیا جائے۔ آپ علیہ السلام نے اپنے مقاصد کے حصول اور پالیسیوں کو کامیاب بنانے کے لیے سب کو اس کام پر آمادہ کیا۔[1]

یوسف علیہ السلام کے اصلاحی منصوبے سے نہ صرف مصر میں بلکہ گرد و نواح کے ممالک پر بھی بہت خوش گوار اثر پڑا۔ کیونکہ یہ قحط سالی صرف مصر تک ہی محدود نہ تھی بلکہ آس پاس کے ممالک بھی اس سے متاثر ہوئے تھے۔ اس دور کا سب سے بڑا چیلنج غذا کا بحران تھا، جس پر آپ علیہ السلام کی زرعی پالیسی کی بدولت کامیابی سے قابو پا لیا گیا۔

ڈاکٹر عبد الرحمن طیب لکھتے ہیں:

معاشی بحران سے نمٹنے کے لیے یوسف علیہ السلام کے طریقے ایک نمونہ ہیں، یا جیسا کہ اسے "یوسفی پروجیکٹ" کہا جاتا ہے۔ یوسف علیہ السلام کا اصلاحی منصوبہ ایک مربوط منصوبہ ہے۔ جنہوں نے معاشی بحران کے عروج پر معاشروں کو تباہی سے بچایا۔ ہم اس کے دو پہلو پیش کریں گے جو یوسف علیہ السلام کے قصہ کا مرکز ہیں اور پوری کہانی کی تفصیلات انہی کے گرد گھومتی ہیں۔

پہلی اقتصادی آزمائش جو مصر کے بادشاہ نے ان کی درخواست پر حضرت یوسف علیہ السلام کو سونپی، جو ایک سخت امتحان اور آزمائش تھی۔ کیونکہ یہ ایک منصب کی قیادت کا معاملہ تھا

---

[1] https://al-sharq.com الشرق خالد بن راشد الخاطر مورخہ 5/10/2020
https://www.aljazeera.net/opinions/2020/9/28/ قصہ یوسف دروس فی ادارہ الازمات الاقتصادیہ

جس میں ایک ناگزیر طور پر آنے والے بحران میں لوگوں کے لیے کھانے پینے کا سامان مہیا کرنا تھا جن کو مستقبل میں قحط سالی کا سامنا تھا۔ یہ ایک ایسا بوجھ تھا جس کے سامنے عقلمند ترین، سب سے زیادہ صابر، اور سب سے زیادہ قوت برداشت رکھنے والے آدمی بھی نہیں ٹھہر سکتے تھے۔ لیکن حضرت یوسف علیہ السلام اس پر ثابت قدم رہے اور انھوں نے خود کو ایک ایسے مرحلے کا سامنا کرنے کے لئے تیار کیا، جس میں ملک کو سلامتی کے ساتھ چلانے والا کوئی بھی نہیں تھا۔ انھوں نے اپنا پہلا اصلاحی منصوبہ شروع کیا، جو صرف وژن کی تشریح تک ہی محدود نہیں تھا، بلکہ ایک مربوط اور مطالعہ شدہ پروگرام تیار کیا گیا؛ جس کے ذریعے وہ لوگوں کی زندگیاں بچانے میں کامیاب ہوئے۔

یوسف علیہ السلام نے ایک دانشمندانہ پالیسی اور سخت مطالعہ شدہ طریقہ کار کے مطابق تباہی سے حفاظت اور خوشحالی تک، درج ذیل اقدامات کو مدنظر رکھا:

1۔ **مسلسل زرعی کام جو نہ رکے**: یہ ہے اللہ تعالیٰ کا وہ فرمان جو نبی یوسف علیہ السلام نے اپنی زبان سے ادا فرمایا: انھوں نے کہا کہ تم لوگ سات سال متواتر کھیتی باڑی کرتے رہو گے۔ (سورۃ یوسف 47:12)

2۔ **خوشوں کو نقصان سے بچانا اور ذخیرہ کرنا**: یہ ایک اقتصادی پالیسی ہے، جس کا مقصد بالیوں اور اناج کی تمام پیداوار کو استعمال کرنا نہیں ہے، بلکہ آئندہ برسوں کی تکالیف اور بحرانوں کے لیے کافی ذخیرہ کرنا ہے۔ تو جو غلہ کاٹو تو تھوڑے سے غلے کے سوا جو کھانے میں آئے اسے خوشوں میں ہی رہنے دو۔ (سورۃ یوسف 47:12)

3۔ **اسراف سے پرہیز** : اللہ تعالیٰ کا وہ فرمان جس کا اظہار نبی یوسف علیہ السلام نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا: سوائے اس کے جو کھانے میں آئے (سورۃ یوسف 47:12)

کھپت میں کفایت شعاری کی ضرورت کا حکیمانہ طریقہ، اور اسی وجہ سے خرچ اور بچت کے درمیان توازن کو عبادت گزاروں کی خصوصیت قرار دیا گیا ہے۔(سورۃ الفرقان 67:25)

4۔ **قرآن کریم نے ان سالوں کی تصویر کشی کی ہے:** " پھر اس کے بعد خشک سالی کے ساتھ سات سال آئیں گے کہ جو غلہ تم نے جمع کر رکھا ہو گا وہ اس سب کو کھا جائیں گے صرف وہی تھوڑا اسارہ جائے گا جو تم احتیاط سے رکھ چھوڑو گے۔(سورۃ یوسف 48:12) یہ اس بات کی ایک مثال ہے کہ اگر ان سالوں کی منصوبہ بندی نہ کی گئی تو یہ سال کتنے شدید ہو سکتے ہیں۔

5۔ **پیداواری عمل میں فاضل کا بہتر استعمال کرنا:** اور پیداوار اور کھپت کے درمیان توازن قائم کرنا، مزید فاضل پیدا کرنا، جس کے نتیجے میں پیداوار کو بحال کرنے اور خوشحالی حاصل کرنے میں مدد ملے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: پھر اس کے بعد ایک سال آئے گا کہ خوب بارش ہو گی اور لوگ اس میں رس نچوڑیں گے۔ (سورۃ یوسف 49:12)

6۔ **انسانی عنصر کی اہمیت :** قابل اعتماد معاونین کا انتخاب کیا گیا۔ اس کے قحط سالی پر قابو پانے میں مثبت اثرات پڑے۔ جس نے مصر کو اپنے لوگوں کی امیدوں کا مرکز اور اپنے اور پڑوسیوں کے لیے کھانے کا ذخیرہ بنا دیا۔ اس عقلی معاشی پالیسی اور اچھی حکمت عملی سے ہمارے آقا یوسف علیہ السلام، بنی نوع انسان کے پہلے ماہر معاشیات بنے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے نہ صرف مصر میں معاشی بحران پر قابو پایا بلکہ مصر کے پڑوسی ممالک بالخصوص فلسطین کے خطہ سے آنے والے قحط سالی سے متاثرہ لوگوں کے لیے بھی ایک تفصیلی منصوبہ تیار کیا۔ جب لوگوں نے یوسف علیہ السلام کی پالیسی اور معاشی خوشحالی کے بارے میں سنا، تو وہ غلہ حاصل کرنے کے لیے مصر آئے جن میں آپ علیہ السلام کے بھائی شامل تھے۔ یوسف علیہ السلام نے مہاجرین کے ساتھ نیک سلوک کیا۔ اور یوسف علیہ السلام کے بھائی کنعان سے مصر

میں غلہ خریدنے کے لیے آئے تو یوسف (علیہ السلام) کے پاس گئے تو یوسف (علیہ السلام) نے ان کو پہچان لیا اور وہ ان کو نہ پہچان سکے (سورۃ یوسف 58:12)

یوسف علیہ السلام نے راشن کارڈ کا نظام تیار کیا۔ اور آنے والے لوگوں کی غذا کی مقدار کو محدود کر دیا کہ ایک شخص ایک اونٹ لے جائے تا کہ سب کو کھانا مل سکے۔

یوسف علیہ السلام خود وفود کا استقبال کرتے تھے اور پھر ان سے یہ پوچھتے تھے کہ وہ کہاں سے آئے ہیں اور کس خاندان سے ہیں؟ آپ نے ان کے ساتھ عزت اور شائستگی کا برتاؤ کیا۔ انھوں نے یہ شرط رکھی کہ ہر وہ شخص جو غلہ چاہتا ہے وہ بارٹر سسٹم کے مطابق اپنے ملک کا سامان لے کر آئے۔

اس طریقے سے حضرت یوسف علیہ السلام بارٹر سسٹم کے نفاذ کے نتیجے میں بے روزگاری کا مسئلہ حل کرنے میں کامیاب ہوئے اور لوگوں کو پیداوار کی طرف راغب کیا اور مصر اس دور میں پیداوار کرنے والے ممالک میں شامل ہو گیا۔[1]

یوسف (علیہ السلام) کے بارے میں منقول ہے کہ جب قحط سالی نے پورے ملک کو اپنے مہیب سایہ میں لے لیا باوجود یکہ خود ان کے پاس بے انتہا غلہ کا ذخیرہ تھا مگر وہ صرف اس لیے پیٹ بھر کر نہیں کھاتے تھے کہ کہیں بھوکوں کا خیال دل سے اتر نہ جائے نیز یہ انہیں اس طرح بھوکوں اور قحط زدہ عوام کی تکلیف و مصیبت سے مشابہت اور مطابقت حاصل رہے۔[2]

## حاصل گفتگو

عام حالات میں بھی اور خاص طور پر معاشی بحرانوں اور آفات کے وقت ایماندار اور صالح

---

[1] المجلہ حراء، ڈاکٹر عبدالرحمن طیب https:// hiragate.com/72961

[2] ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 1779

قیادت کا ہونا ایک ایسی خصوصیت ہے جس کی ملک وملت کو اشد ضرورت ہوتی ہے۔ اس لیے کہ معاشی بحران نا صرف عوام الناس کو شدید متاثر کرتے ہیں بلکہ ریاستوں اور حکومتوں کو بھی ہلا کر رکھ دیتے ہیں۔ معاشی بحران سے نمٹنے کے حوالے سے سورۃ یوسف میں دو پہلو بہت نمایاں ہیں ایک معاشی بحران کی بروقت پیشگوئی اور دوسرے اس پر قابو پانے کی کامیاب منصوبہ بندی۔ مزید برآں حضرت یوسف علیہ السلام کے منصوبوں میں ایمانداری اور شفافیت تھی۔ چنانچہ مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام کی اصلاحات کی بدولت قحط کا دورانیہ بغیر مشکلات پیدا کیے گزر گیا جس کے نتیجے میں بادشاہ نے مصر کی حکمرانی حضرت یوسف علیہ السلام کو منتقل کردی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ معاشی بحرانوں کے شکار ممالک کو اپنی کمزور معیشت پر قابو پانے کے لیے سورۃ یوسف کو Case Study کے طور پر لینا چاہیے۔

# اصلاحی منصوبوں میں کردار کا مقام

(ترجمہ آیت) اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو جنگل اور دریا میں سواری دی اور پاکیزہ روزی عطا کی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔ [1]

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔قرآن نے انسان کی عزت و تکریم اور اس کی بہت سی مخلوقات پر فضیلت کی بات کی ہے۔تاہم یاد رہے کہ انسان کا تمام مخلوقات سے افضل ہونا، اس کی بزرگی اور حقیقی عزت وتکریم، ایمان، تقویٰ، اطاعت، عبادت اور اعمال صالحہ کے ساتھ مشروط ہے۔اگر انسان ان صفات سے عاری ہو جائے، مفاسد کا ارتکاب کرنے لگے اور فاجر بن جائے تو پھر انسانیت کی سطح سے گر کر جانوروں کی سطح پر آجاتا ہے۔جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: یقیناً اللہ کے ہاں بدترین قسم کے جانور وہ بہرے گونگے لوگ ہیں جو عقل سے کچھ کام نہیں لیتے [2]

قرآن کریم کے مطابق یہ بھی ایک بہت بڑی حقیقت ہے کہ ”لوگوں کے لیے نفسانی خواہشوں کی محبت مزّین کی گئی ہے، جو عورتیں اور بیٹے اور سونے اور چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانے اور نشان لگائے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتی ہیں۔یہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے اور اللہ ہی ہے جس کے پاس اچھا ٹھکانا ہے۔ [3]

---

[1] سورۃ بنی اسرائیل 70:17

[2] سورۃ الانفعال 22:8

[3] سورۃ ال عمران 14:3

لیکن یہ نفسانی خواہشات بھی حدود و قیود کی پابند ہیں انسان کو اللہ تعالیٰ نے تخلیق فرما کر شتر بے مہار نہیں چھوڑ دیا کہ زمین میں دنگا و فساد مچاتا پھرے۔

سیّد قطب شہید لکھتے ہیں: اسلام فطرتِ انسانی کو ایک حقیقت واقعیہ کے طور پر لیتا ہے اور فطری میلانات کا مناسب لحاظ رکھتا ہے۔ اور وہ ان میلانات کو مہذب اور شائستہ بناتا ہے۔ اور ان کو رفعت دیتا ہے۔ وہ کسی صورت میں بھی ان میلانات کی بیخ کنی نہیں کرتا ۔۔۔ اسلام نے بہت پہلے فطرتِ انسانی کے ان دونوں رجحانات و میلانات کے اندر توازن پیدا کیا ہے۔ اس نے شہوات اور لذت اور اخلاقی بلندی اور پاکیزگی کے درمیان ایک حسین توازن پیدا کر کے دونوں کو اپنے اپنے مقام پر حدود کے اعتدال کے اندر کام کرنے کی اجازت دی ہے۔[1]

ڈاکٹر حسام الدین سلیم کیلانی، عربی مجلہ صید الفوائد میں "سلسلہ اصلاح الاسرہ وقفات مع عفہ النبی یوسف" کے عنوان سے لکھتے ہیں:

اسلام جبلت کے محرکات کا مقابلہ نہیں کرتا، نہ ان افعال کو ختم کرتا ہے جو خدا نے انسان کے اندر رکھے ہیں، نہ جبلتوں کو دباتا ہے اور نہ ہی ان کو پست کرتا ہے، بلکہ یہ ان کا تزکیہ کرتا، ان کو منظم کرتا اور پاکیزگی کی راہوں پر چلاتا ہے، اور انہیں خالص حیوانیت کی سطح سے اٹھا کر ایک ایسی توجہ کا مرکز بناتا ہے جس پر نفسیاتی اور سماجی اخلاقیات گھومتی ہیں۔

اسلام اس زوال پذیر اور حیوانی زندگی کے خلاف جنگ کرتا ہے جس میں گھر کا وجود نہیں، جو خاندان نہیں بناتی اور باوقار زندگی اور پاکیزہ معاشرہ قائم نہیں کرتی۔

اسلام کا مطلب ہے ایک باوقار اور باعزت خاندانی زندگی، جس میں امیدیں اور دکھ درد مشترک ہوں اور حال اور مستقبل کو مدنظر رکھا جائے۔ جو صالح اولاد اور پاک نسل کے لیے ایک

[1] سیّد قطب شہید، فی ظلال القرآن

انکوبیٹر ہے، جس میں کبھی نہ الگ ہونے والے وفادار والدین کی سرپرستی حاصل ہوتی ہے۔

مسلم معاشرے میں بنی آدم کی عزت اور حفاظت، شریفانہ لباس اور نظریں نیچی رکھنا فرض ہے اور خیانت آمیز نگاہیں اور مرد اور نامحرم عورت کے درمیان خلوت کو ممنوع قرار دیا گیا ہے تاکہ مردوں اور عورتوں کے دل و دماغ پاک رہیں اور آپ ﷺ نے فرمایا: خبردار کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ خلوت نہ کرے اس لیے کہ ان میں تیسرا شیطان ہوتا ہے[1] اور مردوں اور عورتوں کے اجتماعات کے درمیان فاصلہ حتیٰ کہ مساجد- عبادت گاہوں میں۔ مردوں کی اپنی صفیں ہیں اور عورتوں کی اپنی صفیں ہیں اور تعلیم اور کام میں اختلاط اور ہر وہ میدان جو فتنہ کا باعث بنتا ہے حرام ہے۔

ڈاکٹر حسام الدین مزید لکھتے ہیں:

خدائے بزرگ و برتر نے ہمیں قرآن مجید میں عفت و عصمت کی ایک مثال دی ہے جو یوسف علیہ السلام کی عفت ہے۔ اس کو ہمارے لیے اس لیے بیان فرمایا ہے کہ ہم اس پر غور و فکر کریں اور اس سے نصیحت حاصل کریں اور تمام لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ عفت محض سوچنے سے نہیں ہوتی، بلکہ اس میں قوت اور ارادہ ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں درج ذیل نکات بہت اہم ہیں:

1۔ **اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا:** اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا، اسی کی طرف رجوع کرنا، اسی سے پناہ مانگنا اور اس کی طرف کوشش کرنا، سب سے مضبوط ذرائع میں سے ایک ہے، جس سے انسان عفت حاصل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت شامل حال نہ ہوتی اور اللہ تعالیٰ یقیناً بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔[2] تمہیں فتنے

---

[1] ابو عیسیٰ ترمذی، جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 40، محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 1050، علاء الدین متقی، کنز العمال: جلد سوم: حدیث نمبر 1259

[2] سورۃ النور 20:24

سے کون بچاتا ہے؟ تمھیں بدکاری سے کون بچاتا ہے؟ کون آپ کی نظریں نیچی کرتا ہے؟ وہ اللہ تعالیٰ ہے، تمام جہانوں کا رب ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام سے جب عزیز مصر کی بیوی نے کہا کہ وہ اس کی بات مان لیں، تو وہ کس کی طرف متوجہ ہوئے؟ انھوں نے کہا میں تجھ سے اور تیرے شر سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔

2۔ **فریب میں نہ آنا اور اپنے آپ پر بھروسہ کرنا:** جب عورتیں عزیز کی بیوی کے پاس آئیں اور اس کے کیے کا الزام اس پر ڈالنے لگیں تو اس نے کہا: اب بھی اگر اس نے میرا کہنا نہ مانا تو ضرور ایسا ہوگا کہ قید کیا جائے اور بے عزتی میں پڑے۔ [1] اور یوسف علیہ السلام نے کیا کہا؟ یوسف (علیہ السلام) نے کہا اے میرے رب! مجھے قید ہونا اس گناہ سے زیادہ پسند ہے جس کی طرف مجھے یہ دعوت دیتی ہیں اور اگر تو نے ان کی سازش مجھ سے دور نہ کی تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور میں جاہلوں سے ہو جاؤں گا۔ [2]) اے میرے رب اگر تو نے ان کی چالوں سے مجھ کو دور نہ کیا تو میں ان کی بات سنوں گا اور میری قوت ختم ہو جائے گی اور میرا عزم ناکام ہو جائے گا، اس لیے میں آپ سے دعا کرتا ہوں کہ اے میرے رب! مجھے ان کی سازش سے بچا، تو کیا جواب ملا؟ پس اس کے رب نے اس کی بات قبول کی اور ان کی چالوں کو اس سے ٹال دیا، کیونکہ وہ سب کچھ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص کسی آزمائش میں مبتلا ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر فتنہ سے بچاؤ ممکن نہیں۔

3۔ **نامحرموں کا گھروں میں داخل ہونا:** نامحرم مردوں اور نوکروں کو اپنے گھروں میں داخل ہونے کی اجازت دینا اور مسلمانوں کی طرف سے اس میں نرمی برتنا حادثات پیش آنے کی سب سے عام وجہ ہے، جو غیرت کے فقدان کا باعث بنتی ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ

---

[1] سورۃ یوسف 32:12

[2] سورۃ یوسف 33:12

فرماتے ہیں: اس عورت کا شوہر (عزیز مصر) نرم بولنے والا اور نرم مزاج تھا، یا اس نے اسے اس لیے معاف کر دیا کہ اس نے دیکھا کہ اس میں اتنا حوصلہ نہیں ہے۔ اس سلسلے میں سب سے بڑی اخلاقیات یہ ہے کہ اہل ایمان میں بے حیائی پھیلانے سے پرہیز کیا جائے۔ اگر کسی قوم میں بے حیائی پھیل جائے تو وہ خیالات پر اثر انداز ہوتی ہے اور اس کے اثرات روحوں کو متاثر کرتے ہیں، اور کمزور اور بدنیت روحیں جلد ہی اس کا ارتکاب کرنے لگتی ہیں۔ بے شک جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی پھیلے، ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ (سورہ النور 19:24)

4۔ **بری صحبت:** اس کہانی سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بُری صحبت بھی مکروہات میں پڑنے کی ایک بڑی وجہ ہے۔ جب اشرافیہ کی خواتین میں چرچا ہوا کہ عزیز مصر کی عورت اپنے غلام پر فریفتہ ہے۔ تو انھوں نے کیا کیا؟ وہ یوسف علیہ السلام کے پاس گئیں اور کہا کہ وہ اس کی بات مان لیں، یوسف (علیہ السلام) نے کہا اے میرے رب! مجھے قید ہونا اس گناہ سے زیادہ پسند ہے جس کی طرف مجھے یہ دعوت دیتی ہیں اور اگر تو نے ان کی سازش مجھ سے دور نہ کی تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور میں جاہلوں سے ہو جاؤں گا [1]

5۔ **افواہیں:** اگر یہ افواہیں نہ پھیلتیں تو دیگر عورتوں کو عزیز مصر کی بیوی کے معاملے کے بارے میں علم نہ ہوتا " اور شہر کی عورتیں آپس میں چرچا کرنے لگیں کہ عزیز مصر کی بیوی (زلیخا) اپنے نوجوان غلام کو اپنی طرف ورغلانا چاہتی ہے اور اس کی محبت اس کے دل میں گھر کر چکی ہے۔ ہم تو اسے واضح طور پر گمراہی میں مبتلا دیکھ رہی ہیں۔ [2]

---

[1] https://www.aljazeera.net/opinions/2020/9/28/ قصه يوسف دروس في ادارة الازمات الاقتصاديه

[2] سورۃ یوسف 30:12

جب یہ بات پھیل کر اشرافیہ کے محلات تک پہنچی تو اس طبقہ کی خواتین کو گفتگو کے لیے ایک دلچسپ موضوع مل گیا۔ ان طبقات کی زندگی میں تفریح طبع کے لیے مشہور شخصیات سے منسلک سکینڈلز بہت اہم ہوتے ہیں۔

6۔**قیدی کے حق کی آواز کو خاموش کرنا:** شاید یوسف علیہ السلام کی قید، عزیز مصر کی بیوی اور اس طبقے کی خواتین کی کہانی پھیلنے کی وجہ سے تھی۔ محلات کے مالکوں کو لوگوں کی زبانیں خاموش کرنے کے لیے، یوسف علیہ السلام، جن کی بے گناہی کی گواہی مل چکی تھی، کو قید کرنے کے علاوہ کوئی اور راستہ نظر نہیں آتا تھا، تاکہ لوگ یہ واقعہ بھول جائیں۔ فرمایا پھر (یوسف علیہ السلام) کی پاکبازی کی علامات دیکھنے کے باوجود ان کی یہی رائے ہوئی کہ وہ کچھ عرصہ کے لیے یوسف (علیہ السلام) کو ضرور قید کر دیں۔[1] پس یہ مختصر آیت اس دور کے محلات میں بدعنوانی، اشرافیہ کے حلقوں اور مطلق العنان حکمرانی کے پورے ماحول کی عکاسی کرتی ہے۔

مطلق العنان حکمرانی میں مسائل کا حل قید سمجھا جاتا ہے۔ یہ ان لوگوں کے لیے حیرت کی بات نہیں ہے جو متعدد خداؤں کی عبادت کرتے ہیں اور ہم یہاں یوسف علیہ السلام کی کہانی میں دیکھتے ہیں کہ آپ کو بغیر کسی مقدمے کے، سادہ اور آسانی سے گرفتار کرنے کا فیصلہ ہوا اور آپ کو جیل بھیج دیا گیا۔ ایک سے زیادہ خداؤں کی حکمرانی والے معاشرے میں، ایک بے گناہ کو قید کرنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔[2]

یوسف علیہ السلام ایک مستحکم دل اور پرسکون اعصاب کے ساتھ جیل میں داخل ہوئے، کیونکہ وہ عزیز کی بیوی اور اس کی ساتھی خواتین کی مداخلت سے محفوظ ہو گئے۔ ان کے لیے

---

[1] سورۃ یوسف 35:12

[2] حسام الدین سلیم کیلانی، صید الفوائد سلسلہ اصلاح الاسرہ وقفات مع عفۃ النبی یوسف علیہ السلام saaid.org/mktart/alzawaj/113.htm

جیل ایک پرسکون جگہ تھی جہاں وہ تنہا رہ سکتے تھے اور اپنے رب کو یاد کر سکتے تھے۔[1]

ڈاکٹر علی الصلابی، حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے میں اصلاح اور اخلاق کے حوالے سے لکھتے ہیں:

کہ آپ کے اصلاحی منصوبے کی کامیابی میں آپ کی عفت و عصمت، آپ کی شخصیت میں مہذب صفات اور اعلیٰ اخلاق نے اہم کردار ادا کیا۔ چنانچہ وہ اصلاحی منصوبے کی کامیابی کے لیے ان صفات کی اہمیت پر بہت زور دیتے ہیں جو یوسف علیہ السلام کی شخصیت میں بہت نمایاں ہیں۔

ڈاکٹر الصلابی لکھتے ہیں:

میں نہیں سمجھتا کہ جو کوئی اپنے ملکوں میں اصلاح کی امید رکھتا ہے وہ مجھ سے اس تعلیمی اور اخلاقی پہلو کی اہمیت پر متفق نہیں ہوگا جو کسی بھی اصلاح کے حصول میں نیک اقدار قائم کرتا ہے۔ اپنی تحقیق اور تاریخ کے مطالعہ کے ذریعے، میں نے محسوس کیا کہ کسی بھی اصلاحی پروگرام اور پروجیکٹ کے مالک کے پاس ایک واضح وژن ہوتا ہے جس کے ذریعے وہ معاشرے کو بہتری کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔ معاشرے کی خواہشات، عزائم اور امیدوں کے حصول کے لیے اس وژن کے ساتھ ہمیشہ اقدار کا ایک مجموعہ یعنی اخلاقی آئین ہوتا ہے، جو اس وژن کو عملی جامہ پہنانے کے لیے رہنمائی کرتا ہے۔ اس لیے اصلاحی منصوبوں کی کامیابی، قوموں کی بقا اور ان کی تہذیب کی خوشحالی میں اخلاق کی ضمانت ضروری ہے۔ اگر اخلاق زوال پذیر ہوتا ہے تو ریاست بھی اس کے ساتھ زوال پذیر ہو جاتی ہے۔ جس حد تک قوم اخلاق کی پاسداری کرے گی وہ اسی قدر خوشحالی اور ترقی میں آگے بڑھے گی۔

---

[1] حسام الدین کیلانی ، صید الفوائد سلسله اصلاح الاسره وقفات مع عفه النبی یوسف علیه السلام saaid.org/mktart/alzawaj/113 htm

إنما الأمم الأخلاق ما بقيت　　فإن هم ذهبت أخلاقهم ذهبوا

(ترجمہ) قومیں اس وقت تک قائم رہتی ہیں جب وہ بااخلاق ہوتی ہیں۔ اگر ان کا اخلاق ختم ہوجائے تو وہ مٹ جاتی ہیں۔

ڈاکٹر الصلابی لکھتے ہیں:

اس مضمون میں، میں ایک اہم اصلاحی منصوبے کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جس نے ایک قوم کو تباہی سے بچایا اور اسے خوشحالی اور باوقار زندگی کی طرف گامزن کیا، جس کا ذکر قرآن پاک نے کیا ہے۔ یہ یوسف علیہ السلام کا اصلاحی منصوبہ ہے۔ یہ اس لیے ہے تاکہ ہم اس سے سبق حاصل کرسکیں اور معاشروں کی بہتری اور لوگوں کی ترقی میں خدا کے قوانین سے مدد حاصل کریں جن میں ہر چیز کی تفصیل موجود ہے۔ یہ قرآن کوئی ایسی باتیں نہیں جو گھڑلی گئی ہوں بلکہ یہ تو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔ اس میں ہر بات کی تفصیل موجود ہے اور ایمان لانے والوں کے لیے یہ ہدایت اور رحمت ہے۔ (سورۃ یوسف 111:12)

ڈاکٹر علی الصلابی اس منصوبے کا ایک جائزہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ یوسف علیہ السلام کے انعامات میں سے تھا کہ انھوں نے ایک قوم کو تباہی اور فاقہ کشی سے بچایا، وہ مصیبتوں سے نکل کر خوشحالی کی طرف لوٹ آئی۔ یوسف علیہ السلام کی کہانی میں ایک منصوبہ بندی کی حقیقت کا حوالہ ہے۔ ہمیں یہ سمجھنے کے لیے کہ اسلام کی بنیاد گمان پر نہیں ہے، بلکہ یہ انتہائی درست اور گہرے طریقوں پر انحصار کرتا ہے، خواہ معیشت ہو، سیاست ہو یا دیگر پہلو ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بادشاہ نے کہا، میں نے خواب دیکھا ہے سات موٹی تازی فربہ گائیں ہیں جن کو سات لاغر دبلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات بالیاں ہیں ہری ہری اور دوسری سات بالکل خشک۔ اے درباریو! میرے اس خواب کی تعبیر بتلاؤ اگر تم خواب کی تعبیر دے سکتے ہو۔ (سورۃ یوسف 43:12)

یوسف علیہ السلام نے اپنی وژن بیان کی اور قحط سالی جس نے پورے ملک اور مصری عوام کو اپنی لپیٹ میں لے لینا تھا، کے متعلق ایک عملی منصوبہ پیش کیا، جس میں قوم کے ہر فرد نے حصہ ڈالنا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام جو منصوبہ بنا رہے تھے وہ پیداوار کو دوگنا کرنے اور کھپت کو کم کرنے کا تھا۔ کیونکہ بحرانوں اور غیر معمولی حالات میں غیر معمولی رویے کی ضرورت ہوتی ہے، اور اس لیے بھی کہ بحرانوں میں لوگوں کا رویہ عام حالات میں ان کے رویے سے مختلف ہوتا ہے۔ آپ نے ایسے معاونین کا انتخاب کیا، جنہوں نے اس کام کو بخوبی سرانجام دینے میں آپ کے احکامات تسلیم کرتے ہوئے آپکی مخلصانہ مدد کی۔[1]

آپ کے منصوبے کی خصوصیات درج ذیل ہیں:

1۔ **اپنے رب پر بھروسہ اور خود اعتمادی** : اس نے کہا کہ مجھے زمین کے خزانوں پر لگا دے کیونکہ میں سب کچھ جاننے والا نگہبان ہوں۔ (سورۃ یوسف 55:12)

2۔ **بات میں نرمی اور سختی**: جب انھیں ان کا اسباب مہیا کر دیا تو کہا کہ تم میرے پاس اپنے اس بھائی کو بھی لانا جو تمہارے باپ سے ہے، پس اگر تم اسے لے کر نہ آئے تو میری طرف سے تمہیں کوئی ناپ بھی نہ ملے گا بلکہ تم میرے قریب بھی نہ پھٹکنا (سورۃ یوسف 60.59:12) آیت کا آغاز نرمی سے ہوتا ہے اور اس کے اختتام میں سختی ہے۔

3۔ **غصے میں خود کو قابو میں رکھنا**: انھوں نے کہا اگر اس نے چوری کی (تو کوئی تعجب کی بات نہیں) اس کا بھائی بھی پہلے چوری کر چکا ہے، یوسف (علیہ السلام) نے اس بات کو اپنے دل میں رکھ لیا اور ان کے سامنے بالکل ظاہر نہ کیا۔ (سورۃ یوسف 77:12)

4۔ **شہوتوں سے پرہیز**: یونہی ہوا کہ ہم اس سے برائی اور بے حیائی دور کر دیں، بیشک وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھا۔ (سورۃ یوسف 24:12)

---

[1] http://almoslim.net ڈاکٹر علی الصلابی۔ المسلم 19 ذوالقعدہ 1440ھ

5۔ **یادداشت کی طاقت** : پالیسیوں کو کنٹرول کرنے اور لوگوں کو ان کے اعمال سے آگاہ کرنے کے لئے، کئی سال گزرنے کے بعد بھی ان کو یاد تھا کہ انھوں نے کیا کھویا تھا۔ یوسف (علیہ السلام) کے بھائی آئے اور یوسف (علیہ السلام) کے پاس گئے تو اس نے انھیں پہچان لیا اور انھوں نے اسے نہ پہچانا۔ (سورۃ یوسف 58:12)

6۔ **کمزوروں سے ہمدردی** : اعلیٰ مرتبے کے ساتھ عجز وانکساری۔ آپ نے دونو جوان قیدیوں کو مخاطب کر کے کہا : یوسف (علیہ السلام) نے کہا تمہیں جو کھانا دیا جاتا ہے اس کے تمہارے پاس پہنچنے سے پہلے ہی میں تمہیں اس کی تعبیر بتلا دوں گا یہ سب اس علم کی بدولت ہے جو میرے رب نے سکھایا ہے۔۔۔ (سورۃ یوسف 37:12)

7۔ **جب استطاعت ہو تو معاف کر دینا** : حضرت یوسف (علیہ السلام) نے بھائیوں کو جواب دیا آج تم پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ اللہ تمہیں بخشے، وہ سب مہربانوں سے بڑا مہربان ہے۔ (سورۃ یوسف 92:12)

8۔ **تعظیم** : میرا یہ کرتا تم لے جاؤ اور اسے میرے والد کے منہ پر ڈال دو کہ وہ دیکھنے لگیں، اور آجائیں اور اپنے تمام خاندان کو میرے پاس لے آؤ۔ (سورۃ یوسف 93:12)

9۔ **گفتگو میں فصاحت و بلاغت** : پھر بادشاہ نے حکم دیا یوسف (علیہ السلام) کو میرے پاس لاؤ کہ اسے خاص اپنے لیے مقرر کروں پھر جب بات چیت ہوئی تو کہا آج کے دن تو ہماری نگاہوں میں بڑا صاحب اقتدار اور امانتدار انسان ہے۔ (سورۃ یوسف 54:12) [1]

## حاصل گفتگو

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کائنات کا آدھا حسن عطا فرمایا تھا۔ آپ پیکرِ حسن و جمال تھے۔ آپ کی یہ خصوصیت حدیثِ رسول

---

[1] ڈاکٹر علی الصلابی، المسلم 19 ذوالقعدہ 1444ھ http: //almoslim.net/node/127178

اقدس میں بیان فرمائی گئی ہے۔لیکن غور فرمایئے آپ علیہ السلام کے اس حُسنِ بے مثال کا تذکرہ قرآن کریم نے نہیں فرمایا بلکہ قرآن میں صرف آپ علیہ السلام کے کردار،عفت و عصمت اور دیگر محاسن کو بیان فرمایا گیا ہے۔اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ دین اسلام، کردار اور عفت وعصمت کو کتنی اہمیت دیتا ہے؟

اسی طرح جب نبی آخرالزماں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا آغاز ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے اپنی قوم کے سامنے اپنی نبوت کی صداقت کے حق میں اپنی پاکیزہ سیرت کو بطور چیلنج کے پیش کیا تھا۔پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاکیزہ اخلاق و کردار کو قرآن کریم نے دلیل کے طور پر نقل فرمایا ہے۔فرمایا: میں نے اس سے پہلے تمہارے درمیان اپنی عمر کا بڑا حصہ گزارا ہے۔پھر کیا تم عقل نہیں رکھتے۔[1]

قرآن کریم کی اس دلیل نے۔۔عام معاملات میں کھرے کھوٹے اور حق و باطل کی پہچان کا ایک اصول بھی بتا دیا کہ کسی شخص کو کوئی عہدہ یا منصب سپرد کرنا ہو تو اس کی قابلیت اور صلاحیت کو جانچنے کا بہترین اصول یہ ہے کہ اس کی پچھلی زندگی کا جائزہ لیا جائے ،اگر اس میں صدق وامانت داری موجود ہے تو آئندہ بھی اس کی توقع کی جاسکتی ہے،اور اگر پچھلی زندگی میں اس کی دیانت وامانت اور صدق وسچائی کی شہادت موجود نہیں تو آئندہ کے لیے محض اس کے کہنے اور دعوے کی وجہ سے اس پر اعتماد کرنا کوئی دانشمندی نہیں،آج عہدوں کی تقسیم اور ذمہ داریوں کی سپردگی میں جس قدر غلطیاں اور ان کی وجہ سے عظیم مفاسد پیدا ہو رہے ہیں ان سب کی اصلی وجہ اسی اصول فطرت کو چھوڑ کر رسمی چیزوں کے پیچھے پڑ جانا ہے۔[2]

---

[1] سورۃ یونس 16:10

[2] مفتی محمد شفیع،معارف القرآن

# یوسفِ گم گشتہ باز آید

"یوسفِ گُم گشتہ باز آید" حافظ شیرازی کی نظم فارسی زبان میں ہے، جس کا اردو میں منظوم ترجمہ جناب ڈاکٹر خالد حمید نے کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| یوسفِ گُم گشتہ باز آید بہ کنعان، غم مخُور | یوسفِ گُم گشتہ لوٹ آئے گا کنعاں، غم نہ کر |
| کلبۂ احزان شوَ دروزی گلستان، غم مخور | تیرا ویرانہ بنے گا پھر گلستاں، غم نہ کر |
| ای دل غمدیدہ، حالتِ بہ شود، دل بدَ مکن | اس دلِ غمگیں کی حالت ہو گی بہتر جی نہ چھوڑ |
| وین سرِ شوریدہ باز آید بہ سامان غم مخور | یہ سرِ شوریدہ پھر ہو گا بہ ساماں، غم نہ کر |
| گر بہارِ عمر باشد باز بر تختِ چمن | پھر بہار آئے گی اس اجڑے گلستاں میں ترے |
| چترِ گل در سر کشی، ای مرغِ خوشخوان غم مخور | سر پہ ہو گا چترِ گل اے مرغ خوش خواں، غم نہ کر |
| دورِ گردون گر دو روزی بر مرادِ ما نرفت | دَورِ گردوں آج کل دیتا ہے غم تو کیا ہوا |
| دائماً یکسان نباشد حالِ دوران غم مخور | دائماً یکساں نہیں ہے کارِ دوراں، غم نہ کر |

| | |
|---|---|
| ہان مَشو نومید چون واقف نِہ ای از سرِّ غیب | دل نہ کر تھوڑا جو رازِ غیب سے واقف نہیں |
| باشد اندر پردہ بازی ہایِ پنہان غم مخور | ہیں درونِ پردہ بازی ہائے پنہاں، غم نہ کر |
| ای دل ار سیل فنا بنیادِ ہستی بر کَنَد | آج کل غم خوار دنیا میں نہیں ملتا اگر |
| چون تو را نوح است کشتیبان، ز طوفان غم مخور | ایک دن تیرے بھی ہوں گے غم گساراں، غم نہ کر |
| در بیابان گر بہ شوقِ کعبہ خواہی زد قدم | شوقِ کعبہ کو بیاباں میں لیے جاتا ہے تُو |
| سرزنش ہا گر کُنَد خارِ مُغیلان غم مخور | سرزنش کرتے ہیں گر خارِ مغیلاں، غم نہ کر |
| گرچہ منزل بس خطرناک است و مقصد بس بعید | گرچہ مقصد ہے نہاں، منزل ہے تیری پُرخطر |
| ہیچ راہی نیست، کان را نیست پایان، غم مخور | راہ ایسی ہے کوئی، جو ہو نہ پایاں؟ غم نہ کر |
| جملہ می داند خدایِ حالْ گردان غم مخور | جانتا ہے سب خدائے حال گرداں، غم نہ کر |
| حافظا در کُنجِ فقر و خلوتِ شب ہایِ تار | حافظا! کُنجِ فقیری اور شبِ تاریک میں |
| تا بُوَد وِردَت دعا و درسِ قرآن غم مخور | پڑھ وظیفہ، کر دعا، لے درسِ قرآں، غم نہ کر[1] |

[1] غزلیات حافظ محمد شیرازی، شمارہ 255، منظوم اُردو ترجمہ ڈاکٹر خالد حمید

# حرفِ آخر

(ترجمہ آیت) (جب یہ سب باتیں ہو چکیں تو) یوسف (علیہ السلام) نے اللہ سے دعا کی کہ اے میرے رب! تو نے حکومت سے مجھے بہرہ مند کیا اور خوابوں کی تعبیر کا علم بخشا، اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا و آخرت میں میرا کارساز ہے، تو مجھے دنیا سے اپنی اطاعت کی حالت میں اٹھائیو اور آخرت میں اپنے نیک بندوں میں داخل کرنا۔[1]

سورۃ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے خاندان کی بڑی ہی عجیب و غریب، دلکش، لیکن دکھ بھری کہانی بیان کی گئی ہے۔ یہ سورۃ اپنے اندر منفرد بیانیہ، لازوال اسباق اور گہری حکمتیں لیے ہوئے ہے۔ اس میں فتنہ اور عفت و عصمت، بادشاہوں اور سلطنتوں کے حالات، عورتوں کے مکر و فریب کا تذکرہ ہے۔ اس میں خوابوں کی تشریح و تعبیر کا ذکر ہے۔ اس کہانی میں توحید اور انبیاء کرام علیہم السلام اور صالحین کا تذکرہ ہے۔ مجموعی طور پر اس سورۃ میں حضرت یوسف علیہ السلام کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اور اس میں آپ علیہ السلام کی زندگی، جدوجہد اور حتمی فتح کا ذکر ہے۔

یہ سورۃ مسلمانوں کے لیے زندگی کے مختلف پہلوؤں، جیسے خاندانی چالیں اور تنازعات،

---

[1] سورۃ یوسف 101:12

حسد اور خیانت کے نتائج، صبر اور تقویٰ کے انعامات اور معافی اور صلح کی طاقت، انسانی تقدیر کی تشکیل میں حتمی حکمت الٰہی کا عمل دخل، آزمائش، صبر اور خدا پر بھروسہ کے بارے میں بصیرتِ ایمانی پیش کرتی ہے۔ غرضیکہ اِس سورۃ میں تاریخِ انسانی کے بہت سارے سبق موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے حکموں پر غالب ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو بہت سی آزمائشوں اور مصیبتوں سے گزرنا پڑا، لیکن انھوں نے کبھی بھی اللہ پر بھروسہ نہیں چھوڑا۔ انہیں یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ان کے لیے ایک بہترین منصوبہ ہے جو آخر کار پورا ہو کر رہے گا۔ یہ چیز ہمیں یاد دلاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے منصوبے پُراسرار طریقے سے کیسے وقوع پذیر ہوتے ہیں؟ لہٰذا ہمیں ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر یقین کامل اور مکمل بھروسہ رکھنا چاہیے خواہ مسائل کتنے ہی مشکل اور صورت حال کتنی ہی گھمبیر کیوں نہ ہو؟

حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی حسن، عقل، اخلاق اور صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے اولو العزم پیغمبر تھے۔ آپ علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے گھر سے کنویں میں پھینک دیا اور بطور غلام بیچ دیئے گئے، لیکن انھوں نے کبھی ہمت نہیں ہاری۔ انھوں نے صبر کیا اور اپنی مشکلات میں ثابت قدم رہے، آخر کار مصر میں اقتدار کے اعلیٰ عہدے تک پہنچ گئے۔ اس سے ہمیں مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے ثابت قدمی کی اہمیت کا درس ملتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بے رحم بھائیوں نے ان کا برا سوچا اور انہیں نقصان پہنچایا، لیکن اس کے باوجود جب وہ قحط سالی کے وقت آپ کے پاس مدد کے لیے آئے تو آپ نے انہیں بغیر کوئی بات کیے معاف کر دیا اور انہیں کھلے دل سے گلے لگایا۔ آپ کا یہ اقدام ہمیں معافی کی اہمیت کی یاد دلاتا ہے کہ یہ کس طرح ٹوٹے ہوئے رشتوں اور دلوں کو جوڑتی اور مفاہمت کا باعث بنتی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام اپنی امانت داری کے لیے بہت مشہور تھے، یہاں تک کہ وہ مصر کے خزانوں کے وارث بنا دیئے گئے۔ یہ پہلو ہمیں اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں ایمانداری اور دیانتداری کی اہمیت سکھاتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے مصری آقا، عزیز مصر کی بیوی کی پیشکش کے خلاف مزاحمت کی، جس کا صاف صاف مطلب جیل میں ڈالا جانا تھا۔لیکن آپ اس فتنے کے قریب بھی نہیں گئے۔ یہ چیز ہمیں اپنی مذہبی اقدار اور عقائد پر جمے رہنے اور عفت و عصمت کی حفاظت کا درس دیتی ہے۔

والدین کو بچوں کی غلطیوں پر جذباتی نہیں ہونا چاہیے بلکہ صبر سے کام لینا چاہیے اور ان کے حق میں دعا کرنی چاہیے۔یعقوب علیہ السلام جانتے تھے کہ دس بھائی جھوٹ بول رہے ہیں لیکن پھر بھی آپ علیہ السلام نے انہیں بُرا بھلا نہیں کہا اور نہ ہی انہیں کوئی سزا وغیرہ دی، نہ ہی قطع تعلقی کی۔ہمیں بھی اولاد کی کسی غلطی کی وجہ سے قطع تعلقی نہیں کرنی چاہیے۔آج کل اولاد کو عاق کرنے کا جو تصور پایا جاتا ہے، شریعت مطہرہ میں اس کی کوئی اصل نہیں۔

سورۃ یوسف ان مومنین کے لئے امید کا ایک ذریعہ ہے جو دنیا میں مختلف آزمائشوں، دکھوں، مصیبتوں اور چیلنجوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ یہ سورۃ مبارکہ واضح طور پر بتاتی ہے کہ مشکلات عارضی ہوتی ہیں، اس لئے ایک مومن کو ان سے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔اس سورۃ کی تلاوت مسلمانوں کے لئے روحانی بالیدگی اور سکون کا باعث بنتی ہے، مسلمان اکثر اوقات اور خاص طور پر مشکل وقت اس کو پڑھتے اور اس سے دینی و دنیوی فوائد حاصل کرتے ہیں۔

قرآن کریم نے جتنے بھی انبیاء کرام (علیہم السلام) کی پاکیزہ زندگیوں کے قصے بیان فرمائے ہیں، ہر نبی مکرم کی زندگی کا قصہ فکرِ آخرت اور استقامت کے اسباق اور مثالوں سے

عبارت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سرزمین مصر میں طاقت، عہدہ دولت، اقتدار اور حکمرانی، سب کچھ عطا فرمایا، آپ نے وہاں توحید کا بول بالا کیا، عدل و انصاف اور امن و امان قائم کیا اور بندگان خدا کی راحت کا انتظام فرمایا۔ لیکن آیتِ مذکورہ جو حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا پر مشتمل ہے، یہ بتاتی ہے کہ ان سب چیزوں کی اہمیت اپنی جگہ، لیکن ان کی نگاہ استقامتِ دین اور فکر آخرت پر ہے۔ قرآن کریم کا انسان سے یہی مطالبہ ہے۔

وَصَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ

# مصادر و مراجع

## تفاسیر

1۔ ابن کثیر، حافظ ابو الفداء، عماد الدین، اسماعیل بن عمر، دمشقی، تفسیر القرآن العظیم، ایزی قرآن و حدیث سافٹ ویر۔

2۔ النسفی، ابو البرکات، عبداللہ بن احمد، مدارک التنزیل وحقائق التاویل، ایزی قرآن و حدیث سافٹ ویر۔

3۔ الماوردی، ابو الحسن، النکت والعیون تفسیر الماوردی، دار الکتب العلمیہ، بیروت

4۔ اثری، عبد الکریم، تفسیر عروۃ الوثقیٰ، ایزی قرآن و حدیث سافٹ ویر۔

5۔ اصلاحی، امین احسن، تدبر قرآن، ایزی قرآن و حدیث سافٹ ویر۔

6۔ اعوان، امیر محمد اکرم، تفسیر اسرار التنزیل، ایزی قرآن و حدیث سافٹ ویر۔

7۔ امرتسری، مولانا ثناء اللہ، تفسیر ثنائی، ایزی قرآن و حدیث سافٹ ویر۔

8۔ اشرفی، سید محمد مدنی، تفسیر اشرفی، ایزی قرآن و حدیث سافٹ ویر۔

9۔ الازہری، پیر کرم شاہ، ضیاء القرآن، ایزی قرآن و حدیث سافٹ ویر۔

10۔ اسحٰق مدنی، تفسیر کبیر، ایزی قرآن و حدیث سافٹ ویر۔

11۔ بیضاوی، ناصر الدین، ابو الخیر، عبداللہ بن عمر، انوار التنزیل و اسرار التاویل، ایزی قرآن و حدیث سافٹ ویر۔

12۔ بھٹوی، حافظ عبد السلام، تفسیر القرآن الکریم، ایزی قرآن و حدیث سافٹ ویر۔

13۔ دریا آبادی، عبدالماجد، تفسیر ماجدی، ایزی قرآن وحدیث سافٹ ویر۔
14۔ دہلوی، محمد مظہر اللہ شاہ، تفسیر مظہر القرآن، ایزی قرآن وحدیث سافٹ ویر۔
15۔ حقانی، ابو محمد عبدالحق، تفسیر حقانی، ایزی قرآن وحدیث سافٹ ویر۔
16۔ حافظ محمد سید احمد حسن، احسن التفاسیر، ایزی قرآن وحدیث سافٹ ویر۔
17۔ خالد، ابونعمان سیف اللہ، دعوۃ القرآن، ایزی قرآن وحدیث سافٹ ویر۔
18۔ ڈاکٹر اسرار احمد، بیان القرآن، ایزی قرآن وحدیث سافٹ ویر
19۔ سیوطی، جلال الدین، تفسیر در منثور، ایزی قرآن وحدیث سافٹ ویر۔
20۔ سیوطی، جلال الدین، جلال الدین محلی، تفسیر جلالین، ایزی قرآن وحدیث سافٹ ویر۔
21۔ سید قطب شہید، تفسیر فی ضلال القرآن، ایزی قرآن وحدیث سافٹ ویر۔
22۔ سلفی، ڈاکٹر لقمان مدنی، تیسیر الرحمٰن لبیان القرآن، ایزی قرآن وحدیث سافٹ ویر۔
23۔ سواتی، صوفی عبدالحمید، معالم العرفان، ایزی قرآن وحدیث سافٹ ویر۔
24۔ سعیدی، غلام رسول، تبیان القرآن، ایزی قرآن وحدیث سافٹ ویر۔
25۔ صدیقی، پروفیسر محمد اسلم، تفسیر روح القرآن، ایزی قرآن وحدیث سافٹ ویر۔
26۔ صفدر، مولانا سرفراز احمد خاں، تفسیر ذخیرۃ الجنان، ایزی قرآن وحدیث سافٹ ویر۔
27۔ طبری، ابوجعفر محمد بن جریر، تفسیر طبری، جامع البیان عن تاویل القرآن، ایزی قرآن وحدیث سافٹ ویر۔
28۔ عاطف، پروفیسر محمد سعید احمد، تفسیر ابن عباس، ایزی قرآن وحدیث سافٹ ویر۔
29۔ عثمانی، علامہ شبیر احمد، تفسیر عثمانی، ایزی قرآن وحدیث سافٹ ویر۔
30۔ غامدی، محمد جاوید، تفسیر البیان، ایزی قرآن وحدیث سافٹ ویر۔
31۔ غزالی، ابوحامد محمد، تفسیر سورۂ یوسف (علیہ السلام)، نوری بک ڈپو، لاہور۔
32۔ کیلانی، عبدالرحمٰن، تیسیر القرآن، ایزی قرآن وحدیث سافٹ ویر۔
33۔ کاندھلوی، علامہ محمد ادریس، تفسیر معارف القرآن، ایزی قرآن وحدیث سافٹ ویر۔

34۔ قرطبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر، تفسیر قرطبی، ضیاالقرآن پبلیکیشنز، لاہور۔ ایزی قرآن وحدیث سافٹ ویر۔
35۔ قاسمی، عبدالقیوم، تفسیر معارف القرآن، ایزی قرآن وحدیث سافٹ ویر۔
36۔ قاسمی محمد آصف، بصیرت قرآن، ایزی قرآن وحدیث سافٹ ویر۔
37۔ قادری، ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، تفسیر الحسنات، ایزی قرآن وحدیث سافٹ ویر۔
38۔ قاری، محمد طیب، تفسیر برہان القرآن، ایزی قرآن وحدیث سافٹ ویر۔
39۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری، ایزی قرآن وحدیث سافٹ ویر۔
40۔ محمد اسحق، تفسیر درس قرآن، ایزی قرآن وحدیث سافٹ ویر۔
41۔ میاں محمد جمیل، تفسیر فہم القرآن، ایزی قرآن وحدیث سافٹ ویر۔
42۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور 2000ء
43۔ مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ایزی قرآن وحدیث سافٹ ویر۔
44۔ مدنی، عبدالقیوم مہاجر، فوائد القرآن، ایزی قرآن وحدیث سافٹ ویر۔
45۔ محمد اسحٰق تفسیر درس قرآن, ایزی قرآن وحدیث سافٹ ویر۔
46۔ مرادآبادی نعیم الدین، تفسیر خزائن عرفان، ایزی قرآن وحدیث سافٹ ویر۔
47۔ نعیمی، مفتی احمد یار خاں، نور العرفان، ایزی قرآن وحدیث سافٹ ویر۔
48۔ ندوی، مولانا محمد حنیف، تفسیر سراج البیان، ایزی قرآن وحدیث سافٹ ویر۔
49 ۔ وحیدالدین خان ۔تفسیر تذکیر القرآن، ایزی قرآن وحدیث سافٹ ویر۔
50۔ یوسف، صلاح الدین ومبارکپوری، صفی الرحمن، تفسیر مکہ، ایزی قرآن وحدیث سافٹ ویر۔

## کتب حدیث:

1۔ بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل صحیح بخاری، ایزی قرآن وحدیث سافٹ ویر۔
2۔ مسلم، ابوالحسین، بن حجاج بن مسلم النیشاپوری، صحیح مسلم، ایزی قرآن وحدیث سافٹ ویر۔
3۔ ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، جامع ترمذی، ایزی قرآن وحدیث سافٹ ویر۔

4۔ ابوداؤد سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، ایزی قرآن وحدیث سافٹ ویر۔

5۔ نسائی، ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب، سنن نسائی، ایزی قرآن وحدیث سافٹ ویر۔

6۔ ابن ماجہ، ابوعبداللہ محمد بن یزید، القزوینی، سنن ابن ماجہ، ایزی قرآن وحدیث سافٹ ویر

7۔ احمد بن حنبل، ابوعبداللہ، الشیبانی، مسند احمد بن حنبل، ایزی قرآن وحدیث سافٹ ویر۔

8۔ تبریزی، محمد بن عبداللہ، خطیب، مشکوٰۃ المصابیح، ایزی قرآن وحدیث سافٹ ویر۔

9۔ ابن ابی شیبہ، حافظ ابوبکر، مصنف ابن ابی شیبہ، ایزی قرآن وحدیث سافٹ ویر۔

10۔ البیہقی، احمد بن الحسین ابوبکر، سنن کبریٰ للبیہقی، ایزی قرآن وحدیث سافٹ ویر۔

11۔ کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، علاء الدین علی متقی، ایزی قرآن وحدیث سافٹ ویر۔


## متفرق:


1۔ محمد ابوزھو، کتاب الحدیث والمحدثون

https://shamela.ws/book/8656

2۔ کتابِ مقدس (پرانا اور نیا عہد نامہ Revised Version)

1943، برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی، انارکلی، لاہور۔

3۔ تالمود، مکتبہ عناویم، پاکستان، سادھوکے، جی ٹی روڈ، گوجرانوالہ۔

4۔ منصور پوری، قاضی محمد سلیمان، اصحاب بدر، مکتبہ نذیریہ، لاہور۔

5۔ منصور پوری، قاضی محمد سلیمان، الجمال والکمال، اسلامیہ سٹیم پریس، لاہور۔

6۔ جلال الدین رومی، مثنوی معنوی۔ حامد اینڈ کمپنی، اُردو بازار، لاہور۔

7۔ مولانا محمد نظام الدین اسیر ادروی، تفسیروں میں اسرائیلی روایات، مکتبہ عثمانیہ، اعظم مارکیٹ، کمیٹی چوک، راولپنڈی۔

8۔ مولانا شاہ حکیم محمد اختر، منازلِ سُلوک، خانقاہ امدادیہ، اشرفیہ، گلشن اقبال، کراچی۔

9۔ مولانا محمد حفظ الرحمن سیوہاروی، قصص القرآن۔ مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور۔

10۔ ایزی قرآن وحدیث سوفٹ وئر، AQFS برکت مارکیٹ 10 سوک سنٹر، نیو

گارڈن ٹاؤن، لاہور۔

11۔ حافظ شیرازی، غزلیات۔ منظوم ترجمہ، ڈاکٹر خالد حمید۔

1-https://almoslim.net/node/127178

الإصلاح والأخلاق من قصة يوسف عليه السلام

2-https://saaid.org/mktart/alzawaj/113/htm

سلسلة إصلاح الأسرة وقفات مع عفة النبي يوسف عليه السلام

3-https://hiragate.com/7296

الأزمة الاقتصادية وطُرق إدارتها يوسف عليه السلام نموذجًا

4-www.aljazeera.net/opinion/2020/28/9/2020

5-https://al-sharq.com

دروس في إدارة الأزمات الاقتصادية من قصة يوسف عليه السلام

6-https://hawzah.net/fa/magazine/view/4518/7307/91080

نويسنده: بهرامی محمد، ازدواج يوسف با زليخا، حقيقت يا خرافه

7-www.https://annahar.com/arabic

هل هذه "الصورة الحقيقيّة لزُليخة... ؟ إليكم الحقيقة

8-https://nosos.net

زواج يوسف النبي وزليخا حقيقة أم خرافة؟

9-https://ur.wikipedia.org

10-https://diwanalarab.com

توظيف قصّة النبيّ يوسف في الشعر الحديث» نماذج مختارة